راوی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے زیرِ اہتمام مسلسل اشاعت کا ۱۵واں سال

ماہنامہ

# ارژنگ

لاہور

Monthly
Arxang
Lahore

مئی 2014

مدیرِ اعلیٰ: عامر بن علی

مدیر: حسن عباسی

# صوفیانہ شاعری ادبی اور عقلی تاریخ کا نچوڑ ہے......ڈاکٹر دالیا سٹاپانکوٹی

## سفر نامے کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں ادب کی سبھی اصناف سما سکتی ہیں

## ناول کے قارئین کی تعداد سکڑ رہی ہے، عالمی سطح پر ادب کا مستقبل شاعری ہے

## بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیبہ کی عامر بن علی اور ڈاکٹر صغرا صدف سے خصوصی گفتگو

ڈاکٹر دالیا سٹاپانکوٹی کا نام عالمی ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ سکالر، فلسفی، مترجم و محقق ہونے کے علاوہ ممتاز ماہر تعلیم بھی ہیں۔ روس کی سینٹ پیٹرز برگ یونیورسٹی سے فلسفے میں امتیازی حیثیت سے ڈگری لینے کے بعد برطانیہ میں پی ایچ ڈی کرنے کے علاوہ وہاں پڑھاتی بھی رہی ہیں۔ لتھونیا میں پیدا ہوئیں جو اس وقت سویت یونین کا حصہ تھا اور بعد از اں

الگ ملک بن کر یورپی یونین کا حصہ بن گیا۔ عمر کا زیادہ تر حصہ انہوں نے پردیس میں گزارا اور یہی ہجرتیں ان کی عالمی شہرت یافتہ تحریروں کا موضوع بھی ہیں۔ صوفی ازم میں خصوصی دلچسپی رکھتی ہیں۔ کئی عالمی ادبی ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں اور ان کی تخلیقات کے کئی زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ پنج زبان ہیں، اپنی مادری زبان کے علاوہ روسی، انگریزی، یونانی اور جرمن بھی روانی سے بولتی ہیں۔ آج کل جرمنی کے شہر ہیمبرگ کی یونیورسٹی میں پڑھا رہی ہیں۔ پچھلے دنوں محترم فخر زمان نے لاہور میں انٹرنیشنل پنجابی کانگریس کے زیر اہتمام عالمی امن کانفرنس کا اہتمام کیا تو اس میں شرکت کے لیے خصوصی طور پر پاکستان تشریف لائیں۔ ارژنگ کے قارئین کے لیے ان سے ہونے والی گفتگو کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

حمد، نعت، سلام: آصف ثاقب، سید ریاض حسین زیدی، قیوم طاہر، مظفر حسن منصور، محمد اکرم قلندری، ریاض ندیم نیازی، حمیرا راحت، غزالی، خواجہ شفیق احمد فاروقی، نصیر احمد، محمد علی اسد بھٹی، ۲، ۳، ۴

مضامین:

○ ''وعدہ'' کی شاعری..... محبت اور خیر کی جستجو / تنویر ظہور ، ۵

○ امجد جاوید کی ناول نگاری کے چند پہلو / دستگیر شہزاد ، ۸

○ ''اک شام تمہارے جیسی ہو'' کا شاعر حسن عباسی / ڈاکٹر محمد عثمان ، ۱۰

○ نئی سحر / نازاوکاڑوی ، ۱۱

طنز و مزاح

○ ہنسنے پہ پابندی ہے / عطاء الحق قاسمی ، ۱۳

افسانے

○ تھوڑی سی تنہائی / نیلم احمد بشیر ، ۱۴

○ بانجھ محبت کا دُکھ / روشانے سبعین ، ۱۶

○ اجنا / علی اختر ، ۱۸

متفرق شاعری: ۲۱ تا ۲۷

نثری نظمیں: ۲۸ تا ۳۱

شعری گوشے: سلطان سکون ، جلیل عالی ، قاضی حبیب الرحمٰن ، ضیاء الدین نعیم احمد جلیل ، رخشندہ نوید ، آصف شفیع ، عفت علوی ، سمندر منصوری ، سحر تاب رومانی سونیا خان، وحید احمد زمان ، قمر حجازی ، دلاور علی آزر ، حیدر علی ساحر ، ڈاکٹر نادر علی ۳۲ تا ۴۷

گوشہ راجہ نیئر ، ۴۸ تا ۵۰

پنجاب رنگ ، ۵۲

ادبی خبریں، تقریبات ، ۵۷

تبصرۂ کتب ، فلیپ ، آراء ، ۶۳

نامہ ہائے احباب ، ۶۵



(القرآن)

MONTHLY ARXANG LAHORE.

# ماہنامہ ارژنگ لاہور

جلد نمبر ۱۶ مئی ۲۰۱۴ء، شمارہ نمبر ۵

مدیر اعلیٰ: عامر بن علی  مدیر: حسن عباسی

مدیران اعزازی: ڈاکٹر صغرا صدف ، ابرار ندیم  تن دیپ تمنا

نائب مدیر: زبیر بشیر، بدر سیماب ، کامران ندیم

مدیر پنجاب رنگ و انچارج شعبہ اشتہارات: نازاوکاڑوی

قانونی مشیر: کامران ناشط

پتا برائے خط و کتابت

ماہنامہ ارژنگ

F-3 الفیروز سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

0300-4489310

Nastalique786@gmail.com

قیمت فی شمارہ 60 روپے زر سالانہ مع ڈاک خرچ 1000 روپے

سالانہ ممبر شپ مع ڈاک خرچ (پاکستان) 1000 روپے

سالانہ ممبر شپ مع ڈاک خرچ (برائے بیرون ملک پاکستان) 5000 روپے

رابطہ 0331-4489310 0300-4489310


بیرون ملک ارژنگ دوست

- امریکہ، انیلہ بھٹہ
- بحرین، اقبال طارق
- دوحہ، قیصر مسعود
- سعودی عرب، اسلم گمان
- دبئی، سلیمان جاذب
- کویت، خالد سجاد
- یوکے، سعدیہ سیٹھی
- ناروے، ارشد شاہین
- شارجہ، حفیظ عامر
- کینیڈا، طارق سیال
- اسپین، صائمہ ملک
- فرانس، اسد رضوی
- آسٹریلیا، ظفر اسلام
- ڈنمارک، اقبال اختر
- مسقط، قمر ریاض


Far East Marketing Co.
Samaria Mansion 605 Koenji-Minami 1-6-5, Suginami-Ku, Tokyo, 166-0003, Japan
E-mail: femc1@hotmail.com



نے احمد شیر پریس ریلی گن روڈ سے چھپوا کر اردو بازار لاہور سے شائع کیا

# حمد، نعت، سلام

نبیؐ کی یاد میں رہنا ہے مجھ کو
کہوں تو نعت ہی کہنا ہے مجھ کو
مرے اشکوں میں ہوگی بیکرانی
کہ دریا کی طرح بہنا ہے مجھ کو
نہیں معلوم کب دیکھوں مدینہ
کہاں تک ہجر یہ سہنا ہے مجھ کو
لہو میرا منور ہو رہا ہے
مرے لفظوں نے یوں پہنا ہے مجھ کو
نبیؐ کی یاد نے اس کو سنوارا
لگے جو زخم وہ گہنا ہے مجھ کو
مرے دل میں ہے ثاقب نام اُن کا
درود و ذکر میں رہنا ہے مجھ کو

آصف ثاقب/ ایبٹ آباد

زباں کو لذتِ اظہار کا مزہ آئے
جب اُس سے وصفِ نبی کا بیان ہو جائے
جو معترض ہے کوئی آپؐ کی صداقت کا
حضورؐ سی کوئی جامع مثال تو لائے
حضورؐ آپ کے قدموں کی خاک ہے دُنیا
جہاں میں تابع فرمان آپؐ کے چھائے
رہینِ دستِ کرم آپؐ کا ہر اک ذرّہ
جو آب و تاب میں شمس و قمر کو شرمائے
خدا کرے کہ یہ کربِ آخرت کی راحت ہو
فراق آپ کا ہر آن مجھ کو تڑپائے
ریاضؔ قدس کو میں آنکھ میں بسا لاؤں
کہ میرا طائرِ قلب و نظر سکوں پائے

سیّد ریاض حسین زیدی/ ساہیوال

جو بھی ملتا ہے، خبر ہے مرے مکی مدنی
وہ فقط آپ کا در ہے، مرے مکی مدنی
جیسے پیروں سے صبا نے ہو پروں کو باندھا
جانبِ طیبہ سفر ہے، مرے مکی مدنی
لفظ اشکوں میں پرو لایا ہوں میرے آقاؐ
کچھ سلیقہ، نہ ہنر ہے، مرے مکی مدنی
اک معافی کی تسلی دیے رکھوں خود کو
گرچہ دامن مرا تر ہے، مرے مکی مدنی
فرش پہ تا بہ قیامت یہ قدم بھی قائم
عرش بھی رہگذر ہے، مرے مکی مدنی
نعت کہنے کا جو یہ اذن ملا ہے مجھ کو
یہ عقیدت کا ثمر ہے، مرے مکی مدنی
آپؐ سے رشتہ و نسبت ہے ہر اک سے آگے
پھر پدر ہے نہ پسر ہے، مرے مکی مدنی
ویسے اعمال کی بوری میں تو بس مٹی ہے
دیکھ لیجے تو گہر ہے، مرے مکی مدنی

قیوم طاہر/ راولپنڈی

اپنے سکھ ایک ہیں اپنے غم ایک ہیں
مصطفیٰ کی غلامی میں ہم ایک ہیں
بارگاہِ محمدؐ کا یہ فیض ہے
اولیا ایک اہلِ کرم ایک ہیں
محفلِ نعت میں سر جھکائے ہوئے
اہلِ دل ایک، اہلِ قلم ایک ہیں
ہم کھڑے ہیں مدینے سے باہر کہیں
اپنی محرومیاں بیش و کم ایک ہیں
دین کی سربلندی کی خاطر سہی
ہم سفر ایک ہیں ہم قدم ایک ہیں
عاشقانِ نبیؐ کا ہے رستہ وہی
زندگانی ترے پیچ و خم ایک ہیں
چپ ہیں منصور اربابِ محفل تو کیا
داد دینے کو شاہِ اُممؐ ایک ہیں

مظفر حسن منصور

میں ہوں دیوانہ ازل سے سید ابرارؐ کا
خواب پورا ہو ہی جائے گا کبھی دیدار کا
اُس جگہ دنیا کے شاہوں کو بھی دیکھا سرنگوں
اللہ اللہ مرتبہ سرکارؐ کے دربار کا
آپ سا کوئی زمانے میں سخی دیکھا نہیں
کوئی ثانی ہے کہاں سرکار کے کردار کا
ساری دنیا جگمگا اٹھی ہے اُنؐ کے نور سے
معجزہ ہے دوستو اللہ کے دلدار کا
در سے دو چار ہوں سرکارؐ مدت ہو گئی
مجھ کو بھی صدقہ عطا ہو عابد بیمار کا
روزِ محشر نعت پڑھتا جاؤں گا بے خوف میں
مجھ کو کافی ہے سہارا احمدؐ مختار کا
یہ شرف بخشا گیا مجھ کو ازل سے شکر ہے
میں قلندری ہوں جہاں میں نعت گو سرکار کا

محمد اکرم قلندری/ لاہور

اب مُرادوں سے یہ جھولی مری بھر دے مولا
اپنی چاہت کے مجھے لعل و گہر دے مولا

# حمد، نعت، سلام

کوئی جاگیر نہ منصب دے نہ زر دے مولا
دل کو پاکیزہ خیالات سے بھر دے مولا
بس گنہ گاروں کے رستے سے بچا لے یارب
نیک لوگوں کی ہمیں راہگذر دے مولا
ہم کو محتاج کسی کا بھی نہ رکھیو یارب
سب کے کام آئیں ہمیں ایسا ہنر دے مولا
اب تو بس ایک ہی خواہش میں جیے جاتا ہوں
مجھ کو مکے کا، مدینے کا سفر دے مولا
تاج و دستار کی خواہش کی نہیں ہم کو طلب
جس میں قربانی کا جذبہ ہو وہ سر دے مولا
مجھ کو اظہار ندامت کی عطا کر توفیق
اپنی چاہت میں مجھے دیدہ تر دے مولا
میں بھٹک جاؤں نہ رستے سے مجھے یہ ڈر ہے
تو اندھیروں کو مرے نورِ سحر دے مولا
دل وہ دے جو کہ نہ ہو جس میں کوئی بغض ندیم
پاک ہو حرص و حسد سے وہ نظر دے مولا

ریاض ندیم نیازی

---

شفق ہے پھول ہیں بادِ صبا ہے اور میں ہوں
مدینہ جانے والا راستہ ہے اور میں ہوں
تشکر آنسوؤں کے روپ میں پلکوں تک آیا
عقیدت کا دیا اک جل رہا ہے اور میں ہوں
نہیں دُنیا کا کوئی فرد بھی نزدیک میرے
میرے آقاؐ تصور آپ کا ہے اور میں ہوں
ہے میرے سامنے روضہ شہہ جن و بشر کا
اُنہی کے شہر کے خاکِ شفا ہے اور میں ہوں
اُجالا آپ ہی آپ آ گیا نزدیک میرے
کہ میرے گرد نورِ مصطفیٰؐ ہے اور میں ہوں
سبھی کچھ بھول بیٹھی ہوں، مدینہ آ کے راحتؔ
مقابل میرے روضہ آپ کا ہے اور میں ہوں

حمیرا راحت/کراچی

---

کہ سب کی پوری ہوئی ہے طلب مدینے سے
''کوئی بھی آتا نہیں تشنہ لب مدینے سے''
مری حضور سے نسبت ہے دوستو ایسی
مجھے ملا ہے یہ نام و نسب مدینے سے
کچھ اس طرح بھی ہے کانوں میں رس مرے گھولے
ہوا جو سیکھ کے آئی ادب مدینے سے
وہ معتبر بھی ہیں اور کتنی دلعزیز بھی ہیں
کہ جتنی چھپ کے ہیں آتی کتب مدینے سے
حضور آپؐ کی اُمت پہ نور کی بارش
برس رہی ہے یہ کیا روز و شب مدینے سے
خیال و خواب میں میرے مدینہ رہتا ہے
مرا دھیان نکلتا ہے کب مدینے سے
زمانے بھر میں غزالیؔ میں معتبر کیا ہوا
کہ فیض جاری ہوا ہے یہ سب مدینے سے

غزالی/گوجرہ

---

نمازِ محبت مری یوں ادا ہو
تصور میں نقشہ اُنہی کا جما ہو
نگاہوں سے اوجھل ہر اک ماسوا ہو
بس آنکھوں میں میری مرا دلربا ہو
وہ تشریف فرما ہوں شان دنیٰ میں
اُنہی کے قدم پہ مرا سر دھرا ہو
مری رُوح میں بس رہے عشق آقاؐ
مرے سر میں سودا فقط آپؐ کا ہو
اُنہی کی رہے یاد ہر لحظہ دل میں
یہی شغل میرا یہی ولولہ ہو
اُنہی کی تجلی سے معمور ہو دل
وہی نور ہر سمت جلوہ سرا ہو
مری خلوتوں میں نہ کوئی مخل ہو
مرا ہم نوا بس دلِ مبتلا ہو
جلے آتش عشق سے میرا سینہ
اسی آگ میں میری ہستی فنا ہو
مقامِ فنا ہے شفیق اپنی ہستی
فنا ہو یہ ہستی تو سیر بقا ہو

خواجہ شفیق احمد فاروقی/مدینہ منورہ

---

اے خدا! اے مظہرِ کون و مکاں
تجھ سے قائم ہیں، زمین و آسماں
فالق الاصباح تیری ذات ہے
رات تیری صبح کی مہمان ہے
ہے منزہ عیب سے تیری ہی ذات
اے خدا ہیں بے بہا، تیری صفات
ہے تو ہی فریاد رس مخلوق کا
تو وسیلہ عاشق و معشوق کا
راز کیا جانے ترا، خاکی بشر
ہے پرے ادراک سے، تیرا گزر
ہم ترے بندے ہیں، تو رحمان ہے
تیرے قبضے میں ہماری جان ہے

# حمد، نعت، سلام

سر وحدت ہو کبھی قرب و وصال
ہوش ہو دل کا، نہ ہو جاں کا خیال
نام جپتا ہوں میں تیرا صبح و شام
تیرا ذکر پاک ہے، میرا کلام

**نصیر احمد**

جب تصور میں مرے عکسِ مدینہ آیا
میرے آقاؐ! مجھے جینے کا قرینہ آیا
کبھی آیا جو خیال اپنی تہی دستی کا
ذہن میں آپؐ کی سیرت کا خزینہ آیا
واقعہ یہ بھی ہوا رات، دمِ سجدۂ شوق
دل میں وہ رُخ، تو مرے رُخ پہ پسینہ آیا

آپؐ کی راہ کا کنکر بھی اگر مل جائے
میں یہ سمجھوں گا، مرے ہاتھ نگینہ آیا
آپؐ چاہیں تو ہر اک موج کنارا ہو جائے
کس بھنور میں مری ہستی کا سفینہ آیا
ہو کبھی حکم حضوری، تو یہ دنیا دیکھے
آپؐ کے در پہ کوئی مجھ سا کمینہ آیا
اُنؐ کے ہی فیض سے ہر بام ترقی ہے نصیرؔ
کام میرے، مری سرکارؐ کا زینہ آیا

**نصیر احمد**

یہی آرزو ہے میں دیکھوں مدینہ
کہ آقاؐ کہ بن میرا مشکل ہے جینا
ترے در کی گلیاں ہیں جنت سے پیاری
کہ عنبر سے بڑھ کر ہے تیراؐ پسینہ
زمینِ عرب خوش نصیبی ہے تیریؐ
تریؐ گود میں ہے جہاں کا خزینہ
بھنور میں جو ڈولے پکارے محمدؐ
کنارے لگے اس کا ڈوبا سفینہ
ترےؐ دم سے روشن یہ دونوں جہاں ہیں
کہاں تیریؐ رحمت کہاں میں کمینہ
یہی آرزو دل میں ہے آخری اب
اسدؔ کاش ہو جائے خاکِ مدینہ

**محمد علی اسد بھٹی**


## سیرت النبی ﷺ پر چند بلند پایہ کتب

**سیرت المختار**
مترجم: ملک غلام علی
سید مودودیؒ کا دیباچہ — قیمت: 100 روپے

**دُرِّ یتیم ﷺ**
مولانا ماہر القادری
ناول کے انداز میں لکھی گئی ایک خوبصورت کتاب — قیمت: 300 روپے

**عرب کا چاند**
سوامی لکشمن پرشاد
ایک ہندو ادیب کی شاہکار تالیف — قیمت: 400 روپے

**سیرت طیبہ** دو جلدوں میں
پروفیسر غلام ربانی عزیز
مقابلہ سیرت میں صدارتی ایوارڈ یافتہ — قیمت: مکمل 900 روپے

**سیرت سید المرسلین**
ڈاکٹر طیب النجار / مترجم: رخسانہ جبیں
جامعہ ازہر کے وائس چانسلر کے ایوارڈ یافتہ کتاب کا اُردو ترجمہ — قیمت: 400 روپے

**حیاتِ رسولؐ کے دس دن**
خالد محمد الد
آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے دس عظیم یوم — قیمت: 190 روپے

**بارگاہِ رسالت میں**
مولانا محمد متین خالد
روضہ اقدس پر حاضری کے موقع پر ایمان پرور منتخب تحریریں — قیمت: 340 روپے

**چراغِ مصطفوی**
پروفیسر چودھری محمد یوسف
سیرت النبیؐ کی شعلہ نوا خطابت کے لیے انمول تحفہ — قیمت: 180 روپے

**انسانِ کامل و نبی اکمل**
ڈاکٹر منظور ممتاز
سیرت پر ایک مختصر مگر جامع کتاب — قیمت: 175 روپے

**ذکرِ رسولؐ**
مولانا عبدالماجد دریابادی
سیرت پر بلند پایہ مضامین کا مجموعہ — قیمت: 175 روپے

**سید المرسلین بزبانِ قرآن**
سید افتخار حیدر
حضور ﷺ کی سیرت قرآن کی زبان میں — قیمت: 340 روپے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شروح کلامِ اقبال
ان تمام کتب میں اصل کلام، مشکل الفاظ کے معنی اور بڑی تفصیل کے ساتھ شرح کی گئی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| شرح بانگِ درا | ضخامت 592 | | قیمت: 750 |
| شرح بالِ جبریل | ضخامت 640 | | قیمت: 750 |
| شرح ضربِ کلیم | ضخامت 440 | | قیمت: 450 |
| شرح پیامِ مشرق | ضخامت 568 | | قیمت: 700 |
| شرح مثنوی پس چہ باید کرد | ضخامت 560 | | قیمت: 750 |
| شرح جاوید نامہ | ضخامت 1100 | تقریباً | قیمت: 1200 |
| شرح دیوانِ غالب | ضخامت 752 | | قیمت: 950 |

# "وعدہ" کی شاعری......محبت اور خیر کی جستجو

تنویر ظہور

منیر نیازی کی غزل کا شعر ہے۔

جانتے تھے دونوں ہم اس کو نبھا سکتے نہیں
اس نے وعدہ کر لیا میں نے بھی وعدہ کر لیا

منیر نیازی نے یہ شعر 1979ء میں کہا جس میں انہوں نے وعدہ نبھا نہ سکنے کی بات کی۔

آج صغرا صدف یہ شعر کہتی ہے۔

قطرے سے میں ہوں گی سمندر مگر صدف
یہ شرط ہے وہ جاں سے گزرنے تو دے مجھے

سمندر اور صدف (سیپی) کا بہت ساتھ ہے۔ ویسے ہر بلند عمارت، دیوار یا پہاڑ کو بھی صدف کہتے ہیں۔ اس ناتے "وعدہ" میں ڈاکٹر صغرا صدف کی شاعری کا مطالعہ کریں، یہ بھی بلندی اور پہاڑ کی مانند ہے۔ چونکہ صدف کے بنیادی معنی جھکاؤ کے ہیں۔ یہ بلندی اور جھکاؤ اس کی ذات اور شاعری میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ بلندی سے وہ مغرور نہیں ہوتی کہ اس کے اندر ایک صوفی چھپا بیٹھا ہے، عاجزی اور قلندری ہے۔ اس لیے وہ کہتی ہے۔

مرے مولا اُسے آباد رکھنا
مرا کیا ہے، اُجڑتی جا رہی ہوں

صوفی رابطے کی بات کرتا ہے جبکہ مولوی ضابطے کی بات کرتا ہے۔

ادب اور زندگی کا گہرا تعلق ہے۔ ادب زندگی ہی سے جنم لیتا ہے۔ لیکن شاعر اور ادیب تخلیقی فن پاروں سے زندگی کو امید کے چراغوں سے روشن کر دیتا ہے۔ یہی روشنی آپ کو "وعدہ" کر شاعری میں ملے گی۔

ڈاکٹر صغرا صدف کا شمار اس عہد کی نئی ارفع اقدار کے علمبرداروں میں ہوتا ہے۔ اردو کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان و ادب میں بھی اس کا مضبوط حوالہ ہے۔ اس نے اپنی شاعری میں اپنے جذبات کی عکاسی احسن طریقے سے کی ہے۔ اپنی شاعری سے پیغام کا کام لیا ہے۔ حقیقتوں کی نقاب کشائی کی ہے۔

ڈاکٹر صغرا صدف کی شاعری جتنی خوبصورت ہے، کتاب اتنی ہی خوبصورت اور دیدہ زیب انداز میں شائع کی گئی ہے۔ اس شعری مجموعے (وعدہ) کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ شاعرہ نے کسی نقاد سے تقریظ لکھانے کی بجائے ابتداء میں دو صفحے "میری شاعری" کے عنوان سے خود ہی لکھے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنی شاعری کے بارے میں شاعر خود بہتر لکھ سکتا ہے۔ وہ جس تخلیقی عمل سے گزرا ہوتا ہے، اس کا پس منظر بہتر انداز میں بیان کر سکتا ہے۔

بعض شعری مجموعوں میں شاعر یا شاعرہ اتنی زیادہ آراء شائع کر دیتے ہیں کہ قاری ان آراء کے زیرِ اثر شاعری کا مطالعہ کرتا ہے۔ صغرا صدف نے اپنی شاعری کو نقادوں کی آراء سے محفوظ رکھا ہے کہ قارئین اس کی شاعری کا مطالعہ کر کے خود ہی رائے قائم کریں۔

وہ اپنی شاعری کے بارے میں لکھتی ہے۔

"میری شاعری میری پہلی مخاطب ہے جو میری ہم نفس ہے۔ جس سے میں وہ ساری باتیں کرتی ہوں جو میرے دل اور خیال میں پیدا ہوتی ہیں۔ میں جب بھی نامہربان موسموں کے شکنجے میں جکڑی حیات کے پُرخار راستوں پر ننگے پاؤں چلتے چلتے تھک جاتی ہوں تو اک ذرا ستانے کے لیے اپنے ہی سائے تلے بیٹھ جاتی ہوں اور آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔ پھر یکا یک خیال کا اِک در کھلتا ہے اور میں اپنے ہی وجود کی عمارت میں کئی سیڑھیاں اتر کر ایک ایسے تہہ خانے میں پہنچ جاتی ہوں جہاں میرے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔ وہاں میری خود سے ملاقات ہوتی ہے، بات چیت ہوتی ہے اور میں زرد کے پلو سے بندھی یادوں کی گرہیں کھول کر قلم کے ہاتھ پر رکھتی ہوں۔ مرے نزدیک احساس کے نازک رخساروں پر بے رحم وقت کے طمانچوں سے پیدا ہونے والی آہ کا نام شاعری ہے۔"

قارئین! ڈاکٹر صغرا صدف نے اپنی شاعری کے بارے میں جو لکھا ہے وہ کوئی نقاد لکھ سکتا تھا۔

"میری شاعری" کا آخری فقرہ ہے:

"میرا سفر تو محبت اور خیر کی جستجو کا سفر ہے۔"

یہی اصل بات ہے کہ محبت اور خیر کی جستجو کی جائے۔ ترکی شاعر یونس امرا کا کہنا ہے:

آؤ ہم اکٹھے مل جائیں
ایک دوسرے کے لئے آسانی پیدا کریں
محبت کریں اور کروائیں
تا کہ دنیا میں محبت کے سوا کچھ نہ ہو

محبت، امن اور اجتماعی خیر ہی "وعدہ" کی شاعری کی بنیاد ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ڈاکٹر صغرا صدف کے اس پیغام کو عام کریں۔ اسی سے روشنی ہو گی۔

# روشنی کا سفر

ایم آر شاہد

بعض ہمارے یار لوگ بھی بڑے ہی عجیب ہیں۔ان کے اصرار کی پشت پر کوئی نہ کوئی پراسرار کام یا کوئی شخصیت چھپی ہوتی ہے۔ایسے ہی ہمارے ایک دوست محمد شعیب مرزا ہیں۔ابھی چند دنوں پہلے کی بات ہے ہم بخار میں مبتلا اپنے آفس سے آ کر دھوپ میں چھت پر آرام کر رہے تھے۔کوئی دو پہر ڈیڑھ بجے کے قریب موبائل کی گھنٹی بجی جس سے ہماری نیند خراب ہوگئی۔ بے وقت فون اور بغیر اطلاع کسی دوست کی آمد ہمیں سر درد میں مبتلا کر دیتی ہے۔ دوسری طرف سے آواز آئی میں شعیب مرزا بول رہا ہوں۔حال احوال پوچھا ہم نے بتادیا کہ طبیعت ٹھیک ہے۔بولے ٹھیک ہوجائے گی۔آج شام کو آپ نے اور ناصر بشیر نے میرے ساتھ ایک جگہ جانا ہے میں نے کہا میں کسی تقریب میں جانے کے لیے تیار نہیں میری طبیعت ٹھیک نہیں اور آپ بار بار اصرار کر رہے ہیں ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ شخص ہم سے پوچھے بغیر کہیں اپنے دو مہمانوں کو ساتھ لانے کا وعدہ کر آیا ہے۔یہ تو بعد میں ہمیں سمجھ آئی۔کہنے لگے کہ بس میں نے آپ کو کہہ دیا ہے کچھ بھی ہو اگر آپ جانے کے لیے تیار نہ ہوئے تو میں زبردستی لے جاؤں گا۔ان کے اصرار پر غصہ بھی آیا اور تعجب بھی ہوا میں نے کہا اچھا دیکھیں گے۔شام کے پانچ بجے تو ہمارے دوست ناصر بشیر کے ہمراہ ہمارے دروازے پر تھے۔میں نے پھر کہا کہ میرے جانے کا پروگرام نہیں ہے۔ہاں اگر لے جانا ہے تو بہت کم وقت کے لیے جاؤں گا۔کیوں کہ بخار سے میرا بدن ٹوٹ رہا ہے۔اس موقع پر مجھے یہ شعر بھی یاد آ رہا تھا۔

اے رات مجھے ماں کی طرح گود میں لے لے
دن بھر کی مشقت سے بدن ٹوٹ رہا ہے

خیر دونوں کے اصرار پر ہم نے اپنا بیگ کندھے پر لٹکایا اور ان کے ہمراہ ہولیے۔ناصر بشیر کہنے لگے آپ نے میرے ساتھ ہی واپس آنا ہے تو میرے ساتھ ہی موٹر سائیکل پر بیٹھ جائیں۔ہم نے شعیب مرزا سے پوچھا اب بتاؤ جانا کدھر ہے۔کہنے لگے ریلوے اسٹیشن وہاں سے شادباغ آپ میرے پیچھے پیچھے آ جائیں۔کچھ دیر کی مسافت کے بعد ہم شادباغ کے ایک مین روڈ پر ایک دو منزلہ خوبصورت محمدی میڈیکل ٹرسٹ ہسپتال کے گیٹ پر تھے۔انہوں نے ہمیں باہر رکنے کے لیے کہا اور خود ہسپتال میں داخل ہو گئے۔چند لمحوں کے بعد واپس آئے تو وہ اکیلے نہ تھے۔ساتھ ایک نفیس شخصیت اور تھی تعارف کروانے پر انکشاف ہوا کہ ہمارا استقبال کرنے والے ندیم احمد ہیں اور ہمیں اس آئی ہسپتال کا دورہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔اس کا شیڈول ہم سے خفیہ رکھا گیا تھا۔ ندیم احمد اس ہسپتال کے بانی چیئرمین جناب محمد شفیق جنجوعہ کے صاحبزادے ہیں جو اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر اپنے والد گرامی اور بھائی کا اس فلاحی ادارے کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔چند منٹ بیٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹوں نے ہمیں ہسپتال کے دورے کی دعوت دی اور تمام شعبہ جات کے ڈاکٹرز اور عملہ نے ان کے کام کے متعلق بریفنگ دی اور تعارف کروایا۔تمام سٹاف نے ہمیں خوش آمدید کہا۔اس دوران ہم اپنی تکلیف کو بھول چکے تھے۔یہ محمدی آئی کیئر سنٹر آنکھوں کی بیماری کے علاج کے علاوہ ہارٹ کے ڈاکٹرز اور کچھ دوسری بیماریوں کے علاج کے ماہرین بھی مختلف دنوں میں اپنی اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔دورے کے دوران ہم دونوں دوستوں کی جدید مشینری سے آنکھوں کا معائنہ کیا۔بلڈ پریشر اور شوگر چیک کی اور اسی وقت رپورٹیں ہمیں دے دیں۔نظر کی رپورٹ بھی وہی ہیم پہلے والی آئی۔یہ ہسپتال جو ایک مکمل طور پر فلاحی ادارہ ہے جس کی چیک اپ فیس صرف 30 روپے ہے۔سب مہنگے ٹیسٹ جدید مشینوں سے ہوتے ہیں۔ اس میں امیر غریب سب برابر ہیں۔یہ آنکھوں کی روشنی اور شفاء کا مرکز اپنی کہانی خود سناتا ہے۔

میرا نام محمدی آئی کیئر سنٹر ہے۔میری عمر 35 سال پر محیط ہے۔میرے سینے میں انسانی جذبوں، ہمت، روشنی اور جدوجہد کی طویل داستان چھپی ہے۔ میری تخلیق 1979ء میں چند مخلص احباب کے زیر انتظام کرائے کی ایک دوکان میں جز وقتی ڈسپنسری کی صورت میں ہوئی۔آج میں ایک ماڈرن آئی کیئر سنٹر کے طور پر اپنی پہچان بنا چکا ہوں۔میری بے مثال ترقی اور استحکام کے پیچھے مخلص انتظامیہ، ماہر ڈاکٹرز، تجربہ کار سرجنز، خوش اخلاق عملے، بے لوث احباب، مریضوں کا اعتماد اور اہلیان شمالی لاہور کا بڑا ہاتھ ہے۔ میرے چیئرمین محمد شفیق جنجوعہ ہیں ان کی زندگی جہد مسلسل کی کہانی ہے۔ان کے معاون خصوصی پروفیسر ڈاکٹر اسد اسلم خان ہیں۔میرا کام امراض چشم کی تمام

بیماریوں سے نجات دلاتا ہے۔ میں اپنے پاس آنے والوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میرا وجود تمام جدید میڈیکل سہولتوں سے آراستہ ہے۔ میں لوگوں کو روشنی سے ہمکنار کرتا ہوں۔ یہاں ہر آنے والا فیض یاب ہو کر جاتا ہے۔ میری پشت پر اس علاقے کے لوگوں کا بڑا احسان ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے (جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین پر ٹھہرا رہتا ہے)

انہی لفظوں کی بنیاد پر اب میرا وجود پھیلتا جا رہا ہے۔ اب میرے قریب ہی اس فلاحی ادارے کا دوسرا حصہ تکمیل کے مراحل میں ہے۔ روشنی کا یہ سفر جاری و ساری ہے۔ اس سے اب ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مخلوق خدا فائدہ اُٹھائے گی اور میرا سر فخر سے بلند ہوگا آسمان مجھ پر رشک کرے گا۔ زمین ناز کرے گی۔ یہاں جو آتا ہے روشنی پاتا ہے۔ میرا وجود دعاؤں سے قائم و دائم ہے۔ اس نیک کام کی ترقی کے لیے جناب محمد شفیق جنجوعہ ان کے رفقاء چوہدری محمد سعید، خورشید احمد عباس، الطاف ظفر، شیخ محمد اقبال، حاجی خوشی محمد اور شیخ ریاض احمد کوشاں رہتے ہیں۔

میرا ایک ہی نعرہ ہے خوش رہنے کے لیے لوگوں میں خوشیاں بانٹیں۔ میری کارکردگی کو مزید نکھارنے کے لیے ”رسالہ ہمت“ میرا ترجمان ہے۔ یہ خبرنامہ خوبصورت میگزین کی صورت میں آپ کی آنکھوں کو فرحت اور اس کی تحریریں آپ کے دل کو سکون دیتی ہیں۔ یہ میرا صلہ ہے یہی میرا عزم ہے۔ یہی میری ہمت ہے یہی روشنی اور علم کے نور کا سفر ہے آیئے اس نیک کام کے لیے آپ بھی دُعا کریں اور میں بھی۔

ہے دُعا یاد مگر حرفِ دُعا یاد نہیں


مجھے لکھنا بہت ہے عمر کی مہلت مگر کم ہے — مری عمرِ رواں اک پل ٹھہر جائے تو لکھوں گی

کراچی میں مقیم معروف شاعرہ حجاب عباسی کا دوسرا شعری مجموعہ

”ثباتِ ہجر“

شائع ہو گیا ہے

صفحات: 200 / قیمت: 300 روپے

ناشر: دُنیائے ادب، کراچی

0300-2797271



پنجابی کے نامور شاعر، ادیب اور محقق

نوید شہزاد کا تازہ شعری مجموعہ

”نظم اسانوں لکھنا چاہوے“

شائع ہو گیا ہے

صفحات: 272 / قیمت: 400 روپے

ناشر: مقصود پبلشرز اُردو بازار، لاہور

# امجد جاوید کی ناول نگاری کے چند پہلو

دستگیر شہزاد

آرٹیگا گاسے نے فنکار کے تخلیقی سروکار کو ایک مثال سے واضح کیا ہے۔ ایک کمرے میں ایک شخص عالم نزع میں ہے۔ سوگواری کی کی فضا چاروں طرف چھائی ہوئی ہے اور کمرے میں جو لوگ ہیں سب اپنے اپنے طور پر غم زدہ ہیں۔ پلنگ کے قریب اس کی بیوی بیٹھی ہے۔ آنکھیں اشک بار ہیں اور سوائے غم کی تیز دھار کے وہ کچھ محسوس نہیں کرتی۔ پادری آخری رسوم ادا کر رہا تھا اور سوائے اپنے فرض کی ادائیگی کے اس کے سوگوار ذہن پر اور کوئی بوجھ نہیں۔ وہاں ایک جرنلسٹ بھی موجود ہے۔ وہ سوچتا ہے۔ اس واقعہ کی رپورٹنگ کا کون سا اسلوب موزوں ہوگا۔ معروضی، جذباتی، رقت انگیز یا ملا جلا۔ وہاں ایک مصور بھی ہے۔ وہ خاموشی سے پورے کمرے کی فضا کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے ذہن میں اس منظر کی مختلف جزئیات، متنوع رنگوں کی آمیزشوں میں نت نئے روپ لے رہی ہیں۔ کافی عرصہ ہوا جب آرٹیگا کا یہ بیان میں نے ان کی کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ اب نہ وہ کتاب میرے پاس محفوظ ہے نہ اس کا نام ہی یاد ہے۔ عمر کی اس منزل میں آرٹیگا کا نام یاد رہ گیا۔ وہ غنیمت ہے۔ اُوپر کا منظر ذہن کی دھندلی یادوں سے میں نے تعمیر کیا ہے۔ کیونکہ امجد جاوید کے ناولوں پر گفتگو کرنے کے لیے مجھے اس پیرایۂ بیان کی ضرورت تھی۔ امجد جاوید کے ناولوں میں جس دنیا کا عکس ملتا ہے وہ بھی پچھلی پانچ دہائیوں سے جاں کنی کے عالم میں ہے۔ امجد صاحب ان تمام ہولناک واقعات، ابلیسی طاقتوں اور شر انگیز افکار اور نظریات کے شاہد ہیں۔ جنھوں نے دنیا کو فتنہ فساد اور قتل و غارت گری کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ نہ وہ اشک بار ہیں نہ ماتم گسار، نہ تو وہ پادری کی طرح اس کی نجات کی دعا مانگتے ہیں نہ جرنلسٹ کی طرح عبرت ناک اور سنسنی خیز رپورٹنگ کے پیرائے ڈھونڈتے ہیں۔ ان کا ذہن مصور ہی مانند لفظوں کے رنگ و آہنگ سے اس دنیا کی مرقع سازی کے قرینے تلاش کرتا ہے کہ ہر تصویر آرٹ کا ایسا نمونہ ہو جو مسرت کے ساتھ بصیرت عطا کرے۔ ظاہر ہے ان کا طریقہ کار حقیقت پسندانہ ہے۔ سماجی اور سیاسی حقیقت نگاری کو جو خدشات لاحق رہتے ہیں۔ وہ صحافتی، ہنگامی، مقصدی، اصلاحی اور میلاناتی ادب کے ہیں جو اپنے ساتھ جذباتیت، رقت انگیزی، سنسنی خیزی اور خطابت کی آرٹ دشمن پرچھائیاں بھی لاتی ہیں۔ امجد جاوید نے صرف یہ کہ اس پل صراط سے گزر گئے بلکہ انھوں نے اپنے ناولوں، عشق کا قاف، عشق سیڑھی کانچ کی، عشق کسی کی ذات نہیں، چہرہ، جب عشق سمندر اوڑھ لیا، روشن اندھیرے، عشق فنا ہے عشق بقا، سائبان سورج کا، فیض عشق، دھوپ کے پگھلنے تک میں ایسی خوبصورت، معنی خیز اور تراشیدہ کہانیاں پیش کی ہیں۔ جو نہ صرف اپنے موضوع کے اعتبار سے نئی اور منفرد ہیں۔ بلکہ اپنے فن اور تخلیقی جوہر کے اعتبار سے بھی نادرہ کاری اور تکملیت کی حامل ہیں۔ ان کے ناولوں میں ایک اچھے ناول کی تمام خوبیاں ملتی ہیں۔ ان کے یہاں بھانت بھانت کے کردار ہیں۔ انوکھے اور اچھوتے واقعات سے پلاٹ تعمیر کرنے کی اُن کے پاس غیر معمولی صلاحیت ہے۔ جزئیات نگاری، فضا بندی اور منظر نگاری اُن کے ناولوں کو ایک چلتی پھرتی تصویر کی طرح دیکھنے اور اُن میں اُن ہی کیفیتوں کو محسوس کرنے کی چیز بنا دیتی ہیں۔ بے شک اُن کے یہاں عالمی آشوب کا عنصر فراواں ہے۔ جس سے یک رنگی اور یک آہنگی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے لیکن یہ شائبہ، شائبہ ہی رہتا ہے۔ کیوں کہ انفرادی آرزومندی، شخصی المیوں اور جذباتی تعلقات کے ناولوں کی بھی اُن کے یہاں کمی نہیں۔ اُن کے ناولوں میں بڑا تنوع ہے۔ نہ صرف کرداروں اور کہانیوں کا بلکہ ان واقعات کا بھی جو زمانی اور مکانی اعتبار سے مختلف وقتوں میں مختلف ملکوں اور قوموں میں رونما ہوتے ہیں۔ اُن کے البم میں صرف کراچی اور کابل کے نہیں بلکہ انگلینڈ، آئرلینڈ، کینیڈا اور امریکہ کے مناظر اور موسموں کی بھی پرکشش تصویریں ہیں۔

دراصل امجد جاوید کا بڑا کارنامہ ہی یہ ہے کہ انھوں نے کسی نظریاتی وابستگی کے بغیر اپنے وقت کے سیاسی مزاج اور سماجی انتشار کی ایسی تصویریں پیش کی ہیں جو فنکاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

امجد جاوید کی دردمند، خدمت گزار، اصلاح پسند شخصیت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین نہیں آتا کہ سماجی فلاح و بہبود کا اتنا پرجوش اور سرگرم کارکن ان موضوعات اور وارداتوں پر ناول لکھے گا۔ جنھوں نے ایک پورے دور کو ہڑبڑا دیا ہے۔ ظاہر ہے اگر لکھے گا بھی تو یہ ناول اصلاحی مقاصد کے تحت ہوں گے۔ ایسے لوگ ناول نگاری، فنکاری آرٹ اور تخیل کی باتیں پسند نہیں کرتے۔ وہ تو صاف کہتے نظر آتے ہیں۔ میرے افکار پریشاں کو شاعری نہ سمجھ یا یہ کہ مجھے آرٹ وارٹ، جمالیاتی مسرت اور حُسن آفرینی سے کیا لینا دینا۔ میں تو ان زخموں کو بیان کرتا ہوں۔ جو زمانہ نے قلب انسانی پر لگائے ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ امجد جاوید نے لہولہان انسانیت کے زخموں کا ہی شمار کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ آرٹ کا فرض نبھانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ امجد جاوید کے یہاں فن کاری اکتسابی یا شعوری عمل نہیں بلکہ غیر شعوری اور فطری عمل ہے۔ زبان و بیان کا حُسن اور ناول کے تشکیل عناصر یعنی کہانی کردار، پلاٹ، فضا بندی، منظر نگاری وغیرہ پر اُن کا عبور قدرت کی طرف سے انھیں ودیعت ہے۔ وہ پیدائشی ناول نگار ہیں اور اگر سماجی خدمت گزار اور معلم نہ ہوتے تب بھی ناول لکھتے اور خالص ناول نگار کے طور پر سامنے آتے۔ یہ بظاہر سطحی باتیں کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بادی النظر میں ایسا لگتا ہے کہ چونکہ امجد جاوید ایک معلم اور خدمت کرنے والے انسان ہیں۔ انھیں وقت کا انتشار برداشت نہ ہوا اور اس کی اصلاح کی خاطر انھوں نے قلم اُٹھایا۔ بے شک اصلاح کا جذبہ اور معلم کا پیشہ ان کی فنکارانہ شخصیت میں کارفرما ضرور ہے لیکن یہ شخصیت بنیادی طور پر تو فنکار کی ہی ہے جیسی کہ ویسے تو ہر باشعور فنکار اپنے وقت کا ترجمان ہوتا ہے لیکن کم صلاحیت لکھنے والوں کے یہاں سوائے اس کے کہ انھوں نے اپنے عہد کے خوں چکاں واقعات کی عکاسی کی۔ ناول نگاری کا کوئی فنی جواز نہیں ہوتا۔ ایسے ناول میں صحافتی سنسنی خیزی کے ساتھ ساتھ ناول نگار کی جذباتیت، انسانیت کی دُہائیاں دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ امجد جاوید جیسی انسانی دوست شخصیت دو دھاری تلوار ہے وہ انسانیت کے لیے نعمت لیکن فن کے لیے خطرہ ہے۔ اسی لیے ایلیٹ نے کہا تھا آرٹ شخصیت کا اظہار نہیں۔ اس سے گریز ہے۔

امجد جاوید کی انسان دوستی نمائشی نہیں ہے۔ وہ ناولوں کے رگ و ریشے میں خون بن کر دوڑتی ہے۔ یہ انسان دوستی، جذباتی نہیں ہے اونے پونے خریدی ہوئی نہیں ہے۔ یہ انسان دوستی اتھاہ مایوسی، قنوطیت اور کلبیت سے تاریک جنگلوں سے روشنی کی کرن کی مانند پھوٹتی ہے۔ امجد جاوید سہل رجائیت کی بجائے تاریک قنوطیت کا شکار ہونا پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں سچائی ہے۔ ڈاکٹر جب مریض کے سر پر موت کے سایوں کو بڑھتا دیکھتا ہے تو وہ مریض سے اور لواحقین سے جھوٹ نہیں بولتا۔ جھوٹے دلاسے اور طفل تسلیاں اس کا شکار نہیں۔ وہ سچ بولتا ہے اور بہت کڑوا سچ بولتا ہے اور امجد جاوید جیسا سچ تو شاید ہی اُردو کے کسی ناول نگار نے بولا ہو اور یہ سچ انھوں نے منبر پر نہیں۔ دار پر بولا ہے۔

جس جرات مندی، بے باکی اور سچائی سے انھوں نے بے محابا تشدد کا شکار ہوتی ہوئی دنیا، معاشرتی زوال اور اخلاقی انحطاط، مذہبی عقائد کی سخت گیری، جاگیرداروں، وڈیروں، سیاست دانوں، پولیس، ایک ہی قوم کے مختلف فرقوں کی خانہ جنگی، کینسر کی طرح پھیلتے ہوئے شہروں میں قتل و غارت گری، غرض کہ چاروں طرف پھیلے ہوئے انتشار اور بگاڑ کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اس کی کوئی مثال ان کے ہم عصر ادب میں نہیں ملتی۔

حیرت اس بات پر ہے کہ اس پُرتشدد دور میں رہتے ہوئے بھی امجد جاوید نے نازک اور لطیف احساسات اور نفسیاتی گہرائیوں کی حامل اور انسانی تعلقات کی کہانیاں لکھیں۔ جو اُن کے دُنیائے ناول کو اتنی رنگا رنگ اور متنوع بناتی ہیں۔ ورنہ محض عالم آشوبی سے تو اُن کے صفحات ناول آتش دیدہ بن کر رہ جاتے۔ بڑا فنکار اپنی ذات میں اتنی پہنائی رکھتا ہے کہ وقت کی ہیبت اس کی تخلیقی قوت کو مضروب نہیں کر سکتی اور نہ ہی احساس کی ست رنگی دھنک کو لہو کے ایک رنگ میں رنگ سکتی ہے۔ وقت نے بھلے امجد جاوید کو تشدد اور خوں چکائی کی سوغات دی ہو لیکن امجد جاوید نے اپنے وقت کا دامن رنگا رنگ خوبصورت ناولوں سے بھر دیا۔ جو تشدد کا عکس بھی ہیں اور اس کا جواب بھی۔

❀❀❀

# "اک شام تمہارے جیسی ہو" کا شاعر حسن عباسی

ڈاکٹر محمد عثمان/ پشاور

اک روز کا ذکر ہے کہ میں دن بھر کی طبی مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد پشاور کے ایک مؤقر روزنامے کا ادبی صفحہ نہایت انہماک سے مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں بطور ادبی خبر ماہنامہ "ارژنگ" لاہور کے نئے ایڈیشن کے منظر عام پر آنے کی خبر پڑھی فوری فون اُٹھایا اور متعلقہ نمبر پر فون کر ڈالا۔ دوسری جانب خوبصورت جذبوں حسین لفظوں والے شاعر صفت انسان ابن آدم حسن عباسی سے ملاقات ہوئی۔ رسمی سلام دُعا اور تعارف و معارف کے بعد انہیں اپنے نام ارژنگ کے اجراء سے متعلق درخواست کی۔ بس پھر کیا تھا تیسرے ہی روز ماہنامہ ارژنگ میرے کلینک کی میز پر آ موجود تھا۔ ابتدائے نظر میں مجھے ارژنگ سے زیادہ حسن عباسی کے احساسِ ذمہ داری نے متاثر کیا اور پھر بادی النظر میں جب ارژنگ کا مطالعہ کیا تو یہ احساس انتہائی موشگافی اور شدت کے ساتھ ہوا کہ نستعلیق، ماہنامہ ارژنگ کی صورت میں یقیناً ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ پھر قریباً ایک ماہ بعد محترم حسن عباسی کا فون آیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی خدمت میں اپنا مجموعہ کلام، "اک شام تمہارے جیسی ہو" روانہ کر رہا ہوں جسے آپ شرفِ قبولیت بخشئے۔ ان کا مجموعہ کلام مذکور ملا جسے پڑھ کر نہایت فرحت و راحت اور استراحت محسوس ہوئی۔ لہٰذا اُن کا مجموعہ پڑھ کر جو بھی محسوس ہوا اُسے نہایت ایمانداری، صدقِ دل اور اپنے احساسات کی سچائیوں کے ساتھ سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اہلِ ادب کے درمیان حسن عباسی کی شاعری پر میرے اس تبصرے کو کس نگاہ سے دیکھا جائے گا لیکن میں اپنے اس تبصرے کو اپنے تئیں حقیقت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ زیادہ عمیق اور گہری نگاہ سے اس مجموعہ اور حسن کی شاعری پر تبصرہ کرنا اور اُس کے بخیے اُدھیڑنا نقادوں کا کام ہے ہم ٹھہرے معالج ہمارا کام مرہم سینا اور کسی بھی معاملے کو صحت مندانہ نظر سے دیکھنا ہے۔ لہٰذا بطور قاری میں نے حسن عباسی کے کلام کو پڑھ کر جو محسوس کیا اُس کا تذکرہ بلا کسی مبالغہ آرائی کر رہا ہوں۔

حسن عباسی سچے جذبوں، گہری محبتوں اور شاعرانہ ترکیبوں کی مالک شخصیت ہے۔ ان کی آواز اپنے ہم عصروں میں قدرے توانا اور جدت سے بھرپور ہے۔ ان کے کلام کو عوامی سطح پر اوسط سمجھ بوجھ والا قاری بھی جذب کر سکتا ہے اور یہی انجذابیت کی خاصیت جو عوامی سطح پر پائی جائے کسی بھی شاعر کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ کسی بھی کلام کو جب نوجوان طبقہ قارئین قبولیت کا درجہ عطا فرما دیں۔ تو وہ کلام زبان زدِ عام ہو جایا کرتا ہے اور حسن کے کلام میں یہ خاصیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ حسن عباسی کے کلام میں اُن کے گفتار و کردار کی ہم آہنگی اہلِ فکر و نظر اور قارئین شاعری میں ان کی محبوبیت اور مقبولیت کا راز ہے۔ اُن کے اشعار، نظمیں اور غزلیں مثبت اور عاجزانہ جذبوں کی بے ساختگی، محبتوں کی رویوں اور دوستی کے اشاروں سے لبریز ہیں۔ کسی بھی شاعر کا سب سے بڑا مسئلہ اپنے افکار اور رویوں کی دریافت ہوا کرتا ہے۔ اس لیے خوش بختی کا لمحہ وہی ہوتا ہے جب وہ ان امور کی تلاش میں کامیاب ہو جاتا ہے اور یہاں مجھے یہ تحریر کرنے میں کوئی باک نہیں کہ حسن نے اپنے ہی افکار اور رویے دریافت کر لینے کے بعد انھیں قلبی جذبوں کی بے ساختگی اور سچائیاں دے کر جو موتی اپنے اشعار کی صورت میں قرطاسِ ادب پر بکھیرے ہیں وہ قبولیت عام کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ حسن کے شعری اظہار میں ایک ندرت، تازہ کاری و نت نئی ترکیبات کے پیرائے ملتے ہیں۔ اپنے محبوب کی جانب جو احترام اور عاجزانہ اخلاص اُن کی شاعری میں پایا جاتا ہے وہ بہت ہی کم شعراء کا خاصہ ہے۔ ان کے اشعار میں جابجا شعری ساختوں میں چابکدستی، مہارت اور جدت اسلوب کی جو فنکاری پائی جاتی ہے۔ وہ کم عمر شاعروں میں قدرے ناپید ہوا کرتی ہے۔ اُن کی منفرد آواز، توانا لہجہ اور خصوصی اندازِ فکر خود اُن کی انفرادیت اور شاعرانہ اسلوب کی نشاندہی کرتا ہے۔ اُن کی شاعری عام قارئین کے ذہنوں پر دستک دیتے ہوئے نظر کے راستے دل میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اُن کی شاعری میں ایک سادگی کے ساتھ ساتھ محبت کی مثبت روایات اور عصرِ حاضر کے تقاضے باہم دیکھا پائے جاتے ہیں۔ اُن کا ہر شعر قاری کو اپنا ذاتی تجربہ لگتا ہے اور عام زندگی کے حساس پہلوؤں کی پرزور غمازی کرتا ہے۔ اُن کی شاعری لحاظِ تجربات، محسوسات اور جذبات پر انحصار کرتے ہوئے قارئین کو اپنی گرفت میں کچھ اس طرح لے لیتی ہے کہ قاری اُن کے اشعار تنہائی میں بار بار دہراتے ہوئے ایک تسکین حاصل کرتے ہیں۔ حسن بنیادی طور پر ایک ایسا شاعر ہے جس نے اپنی شاعری میں روایت کے گہرے شعور کے ساتھ ساتھ عصرِ نو کے تقاضوں کو بھی ہم آہنگ کیا ہے۔ لہٰذا موضوع کوئی بھی ہو ان کی غزل اور نظم دونوں ہی کی چاشنی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ "اک شام تمہارے جیسی ہو" میں جو موضوعاتی، جمالیاتی اور شاعرانہ تلون ترتیب پاتی ہے۔ اس کا ہر خط اور زاویہ، عامیانہ جذبات، مختلف ذیلی تصورات و موضوعات میں منقسم اور منضبط نظر آتا ہے۔ حسن کے ہاں حُسن اپنے تمام تر لوازمات اور عشق اپنے تمام تر متعلقات کے ساتھ موجود نظر آتے ہیں۔ ماحولیاتی تجربات، عشق کے جذبات اور محبوب کا التفات سب کچھ ہی تو حسن کی شاعری کا خاصہ ہے۔ اُمید واثق ہے کہ آج کل جبکہ انسانی لطیف احساسات و جذبات کی جگہ مشینوں کی کثافت نے لے لی ہے تو ایسے میں حسن عباسی کی بے ساختہ شاعری کو نا صرف اہلِ ادب، نقاد بلکہ عام قارئین بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

# نئی سحر

ناز اوکاڑوی

شاعری ہمیشہ سفر میں رہی ہے اور کر رہی ہے، کرتی رہے گی۔ سفر میں نئے مسافر شامل ہوتے رہتے ہیں۔ انہی میں سے کچھ مسافر اپنی علیحدہ شناخت کے ساتھ ہر کسی کی نظر کو بھا جاتے ہیں۔ اسی سفر کی ایک اور مسافر ایک نئے ڈھنگ کے ساتھ نئے عزائم لیے عازمِ سفر ہوئی ہے۔

رُخسانہ سحر کو پڑھنے کے بعد یوں لگا کہ یہ مسافر اپنے ساتھ زادِ سفر لے کر نکلا ہے۔ جدید دور کے ساتھ اپنی ہم آہنگی کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جو اس سفر کے لیے درکار ہے۔ وہ راستے میں آنے والے سنگِ میل کو عبور کرنے کی ہمت بھی رکھتا ہے اور اپنے اردگرد سے بھی ہم آہنگ اور موسموں کی رنگینیوں سے لطف اندوز بھی ہونا جانتا ہے۔

رُخسانہ سحر نے اپنی شاعری میں سب رنگ یکجا کر کے ایک خوبصورت مہکا ہوا گلدستہ بنا دیا ہے۔ جو پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو معطر ہی نہیں۔ راحت و تسکین بھی فراہم کرتا ہے۔ رُخسانہ سحر نے غزل اور نظم دونوں کے ساتھ یکساں انصاف کیا ہے۔ رُخسانہ سحر کی غزل نظم اور نظم غزل پر حاوی نظر آتی ہے۔ موضوع بے شک رائج العام ہیں لیکن رُخسانہ سحر نے انہیں اس ڈھنگ کے ساتھ استعمال کیے ہیں کہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ یہ ان کی ہنرمندی کا کمال ہے۔ رُخسانہ سحر اپنے گرد و پیش پہ نظر رکھے ہوئے اپنے احساسات شاعری کے ذریعے ہم تک پہنچاتی ہیں۔ آج کے پر آشوب دور جہاں کوچہ و بازار کشت و خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ نہ جانے اس ملک کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔ شاعر چونکہ حساس ہوتا ہے اور پھر وہ جو دیکھتا ہے قرطاسِ دل سے قرطاس ابیض پر منتقل کر دیتا ہے۔ دیکھیے رُخسانہ سحر موجودہ حالات کی کس طرح عکاسی کر رہی ہیں۔

جہاں شب کو اُجالے تھے وہاں اب دن میں ڈرتے ہیں
عجب سی ہو گئی ہے صورتِ حال گلیوں کی

عشق و محبت کا موضوع بھی اگرچہ روزِ اول سے شاعروں کا محبوب رہا ہے۔ شاعروں نے اس کا استعمال بھرپور اور مختلف انداز میں کیا اور کیا بھی جا رہا ہے۔ باوجود صدیوں سے موضوعِ سخن بنا ہوا ہے۔ یہاں بھی رُخسانہ سحر اپنی انفرادیت قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہیں۔ یہاں اپنی ایک غزل میں حیدر آبادی دکنی لہجہ میں قافیہ بالردیف کا استعمال کیا سہانا لگتا ہے۔

میں بھی ہوں بے قرار محبت میں رات دن
دیکھی نہ جائیں مجھ سے تری بے قراریاں

رُخسانہ سحر آج کے جدید دور کی ایجادات کے استعمال کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ شاعری میں دن بدن جدید رجحانات کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور شاعر بھی اپنے آپ کو اس ماحول میں ڈھلتا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں موبائل ٹیکنالوجی نے زبردست انقلاب برپا کیا ہے تو اس کے استعمال اور سہولیات پر دیکھیں رُخسانہ سحر کیا کہہ رہی ہیں:

میں کہ ہر روز تمہیں کال کرتی ہوں
اور تم سے کوئی میسج نہ بھیجا جائے

دوسری جگہ لکھتی ہیں:

میں فیس بک پہ تجھے کس طرح تلاش کروں
کہ اب مجھے ترے بارے میں کچھ پتہ نہیں

مجموعہ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ رُخسانہ سحر موسیقی سے نہ صرف شغف رکھتی ہیں۔ بلکہ راگوں سے پہچان ان کی دلچسپی ظاہر کرتی ہے اور ان راگوں کے اثرات کا بھی بخوبی اندازہ ہے۔ اس کا اظہار وہ اپنی ایک نظم میں کچھ اس طرح کرتی ہیں۔ نظم کا عنوان ہے ''وہ مجھ کو بھول جاتا ہے۔''

دسمبر کی ٹھٹھرتی اور یخ بستہ سی شاموں میں
وہ سازِ دل پہ ''ایمن'' چھیڑ کر خود کو بھلاتا ہے
تو مجھ کو بھول جاتا ہے۔

غزل کے بعد رُخسانہ سحر نے نظم میں بھی اپنی مہارت قائم رکھتے ہوئے مختلف موضوعات کو اظہارِ سخن منتخب کیا ہے۔ ''تمہیں میں جیت لاؤں گی'' غزل میں بھی مصرعہ باندھا ہے اور نظم کے لیے بھی اسی مصرع کو منتخب کر کے خوب استعمال کیا ہے۔ نظم کا آخری بند ملاحظہ کریں کس طرح اپنے عزم کا اعادہ کرتی نظر آتی ہیں:

تو کیا ہے جو مجھے تم سے محبت ہے
تو کیا ہے جو تمہیں پانے کی حسرت میں ہر ایک انجام سے

بے خوف ہو کر میں نے اب یہ سوچ رکھا ہے
کہ خود کو آزماؤں گی
تمہیں میں جیت لاؤں گی

رُخسانہ سحر میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور اس کا اظہار بھی جا بجا کرتی نظر آتی ہیں۔ محبت اختیار نہیں ہے بے اختیاری ہے۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو ودیعت کر رکھا ہے۔ جہاں انسان کہیں اشارے سے تو کہیں ذریعہ اظہار سے۔ رُخسانہ سحر نے اظہار کیا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اپنی ایک نظم ''بھرم رکھنا'' میں کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں:

میں دُنیا کے بھرے دربار میں
سر کو جھکا دوں گی تمہارے سامنے
تمہیں کچھ دیر کو اپنا لوں گی
مگر اتنی گزارش ہے
کہ تم!!
میرا بھرم رکھنا

نظمیں اور بھی پڑھنے کے قابل اور ادبی پیاس کی تسکین کا سامنا مہیا کرتی ہیں۔ یہاں میں ان کی شاعری کے فنی رموز پر بات دانستہ نہیں کر رہا۔ گو شاعری میں شعریت برقرار رکھنے میں بحور و اوزان کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اصل میں شعر میں موضوع کا ہونا بہت ضروری اور پھر جامعیت کے ساتھ الفاظ کو سادہ پیرائے میں بیان کر دینا کافی ہے اور پھر نظم نثری، معرا اور آزاد نظم کا بھی چکر ہے۔ کچھ لوگ آزاد نظم میں بھی وزن دیکھنے کے متقاضی ہیں۔ جیسے مجید امجد، انیس ناگی، فہمیدہ ریاض یا اور بھی بہت سے نام اس حوالے سے گنوائے جا سکتے ہیں۔

ان تمام شعراء کی نظموں میں نغمگی بھی ہے شعریت بھی جامعیت اور مضمونیت بھی۔ فیض احمد، احمد فراز، امجد اسلام امجد بھی اسی صف کے رُکن ہیں۔

بے شک رخسانہ سحر نے بھی مروجہ طریقہ کی اتباع کرتے ہوئے نظموں میں بحر و اوزان کو ملحوظ خاطر رکھا ہے خوش آئند ہے۔

آخر میں رُخسانہ سحر کی نظم ''ماں'' کی یادوں سے کچھ حصہ بتانا چاہوں گا۔ گو کہ ماں کے موضوع پر کب سے لکھا جا رہا ہے اور جاتا رہے گا۔ ماں کی شان و عظمت کے بارے خود حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے بہت سے احادیث ہم تک پہنچی ہیں۔ دیگر مذہبی و غیر مذہبی افراد بھی ماں کی عظمت کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں رخسانہ سحر بھی اپنا حصہ ڈالتے ہوئے ماں کے بارے کچھ یوں رقم طراز ہیں:

اپنی ماں کی یادوں سے
جب میں بھیگ جاتی ہوں
بے قرار ہوتی ہوں
مجھ کو پیار، قربت کے
ان گنت چراغوں کی روشنی لگی مدھم
یا پھر
آج جنم دن میرا ہے
سر پر ماں کا سایہ نہیں
لگتا ہے اب دنیا میں
کوئی اپنا اور پرایا نہیں

خلاصہ یہ کہ رُخسانہ سحر نے کچھ اپنے اندر تھا ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ مجموعہ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ رُخسانہ سحر کو کن کٹھن راہوں سے گزرنا پڑا۔ بہر حال کامیاب ٹھہری ہیں۔ رُخسانہ سحر اتنی اچھی کاوش کی یقیناً مبارک کی مستحق ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں سے رُخسانہ سحر کو ان کے مجموعہ کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں۔

مجھے یقین ہے ان کا مجموعہ یقیناً قارئین کی نظروں سے گزرتا ہوا۔ دلوں میں جگہ ضرور بنائے گا۔

ان شاءاللہ


ممتاز شاعر علی یاسر کے شعری مجموعے
''اِرادہ''
کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے
صفحات: 160 / قیمت: 200
ملنے کا پتہ: نستعلیق پبلشرز
غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

جدید بیت بازی کے بعد
معروف شاعرہ شکیلہ ستارہ کا مرتب کردہ
قدیم اور جدید شعراء کے اشعار پر مشتمل انتخاب
بے مثال بیت بازی
مکمل اہتمام کے ساتھ شائع ہو گیا ہے
صفحات: 200 / قیمت: 250
ملنے کا پتہ: نستعلیق پبلشرز
غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

# ہنسنے پہ پابندی

عطاء الحق قاسمی

فلپائن کے ایک شہر میں ایک شخص ٹیلی ویژن پر ایک مزاحیہ پروگرام دیکھتے ہوئے اتنا ہنسا کہ فوت ہو گیا۔ اس کی موت کا باعث صرف ٹیلی ویژن کا مزاحیہ پروگرام ہی نہیں بنا بلکہ اس کا ایک قریبی دوست بھی، جو اس وقت اس کے قریب ہی بیٹھا تھا، اس کی موت کا باعث بنا کیونکہ یہ دوست بھی اسے چن چن کر ایسے لطیفے سنا رہا تھا، جس سے وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ اس نے اس عالم میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی!

ہم نے اپنے دوست مظفر بخاری کے کالم میں جب سے یہ خبر پڑھی ہے ہم ہنسنے کے سلسلے میں پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئے ہیں بلکہ امجد سمیت اپنے ان دوستوں سے بھی قدرے دور دور رہنے لگے ہیں جو سارا دن لطیفے سنا سنا کر بظاہر ہماری بیٹری چارج کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ ہم نے تو اب ان چیزوں سے بھی پرہیز شروع کر دیا ہے، جنہیں دیکھ کر یا پڑھ کر چہرے پر ہنسی نہ سہی، مسکراہٹ بھی ابھر سکتی ہو۔ چنانچہ ان دنوں ہم نے اخبارات کے اداریے پڑھنے بند کر دیے ہیں۔ ٹی وی کا "خبرنامہ" نہیں دیکھتے۔ پیر پگاڑو کے بیانات بھی نہیں پڑھتے۔ الیکشن کے امیدواروں کی انتخابی تقریریں بھی ہم نے پڑھنا چھوڑ دی ہیں بلکہ ان دنوں تو ہم اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں شائع ہونے والے ہینڈ آؤٹ بھی نہیں پڑھتے۔ ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والی تقریریں بھی نہیں سنتے۔ اسی طرح ترقی کے بارے میں شائع ہونے والے اعداد و شمار ہم نے پڑھنا بند کر دیے ہیں۔ سپر پاور کے حامل عالمی رہنماؤں کے قیام امن کے سلسلے میں شائع ہونے والے ) بیانات بھی اب ہم نہیں پڑھتے۔ غرضیکہ ہم نے اپنی طرف سے تو ہنسی کے تمام دروازے مقفل کر دیے ہیں۔

مگر وہ جو نجیب احمد نے کہا کہ:

ہم تو سمجھے تھے کہ چاروں در مقفل ہو چکے
کیا خبر تھی ایک دروازہ کھلا رہ جائے گا

سو ہمارے ساتھ بھی یہی ہوا۔ کل صبح صبح ایک دوست تشریف لائے، ہم نے ان کیلئے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلوایا، اندر چائے بھجوانے کو کہا اور پھر پوچھا، آج کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے "بس تم سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا، سو چلا آیا" ہم نے کہا "بہت مہربانی مگر اس کے علاوہ بھی تو آنے کا کوئی مقصد ہوگا" کہنے لگے "نہیں بھئی سچ کہہ رہا ہوں، صرف تمہیں دیکھنے کیلئے آیا ہوں!" ہم نے کہا "وہ ٹھیک ہے، دیکھ تو تم نے لیا ہے اب کام بتاؤ جس کیلئے آئے ہو!" اس پر ہمارے یہ دوست کچھ ناراض سے ہو گئے اور اسی ناراضی کے عالم میں کہنے لگے "تمہارا مطلب یہ ہے دنیا میں خالص محبت اور دوستی کی قدریں مٹ گئی ہیں اور ہر شخص اتنا خود غرض ہو گیا ہے کہ بغیر کسی غرض کے کسی سے ملنا پسند نہیں کرتا میں نے ایک وزیر سے ملنا تھا، سوچا تمہیں ساتھ لیتا جاؤں، وہ وزیر تمہارا دوست ہے، اس لحاظ سے میرا بھی دوست ہے میرے دوست یاد رکھو خلوص محبت، وفا یہ سب قدریں ابھی تک قائم و دائم ہیں!" یہ سن کر ہمیں ہنسی کا دورہ پڑ گیا اور یوں بڑی مشکل سے فوت ہوتے ہوتے بچے!

ہمارے ایک اور دوست ہیں جو عارضہ قلب میں مبتلا ہیں، چنانچہ ڈاکٹروں نے ان کے عزیزوں کو ہدایت کر رکھی ہے کہ انہیں انتہائی دردناک یا انتہائی دل خوش کن خبر اچانک نہ سنائی جائے بلکہ قسطوں میں سنائی جائے چنانچہ اس دور میں پوری خبر تو ہم ایسے مضبوط دل والے لوگوں تک بھی کم کم پہنچتی ہے، ان تک پہنچتے پہنچتے تو کئی مہینے لگ جاتے ہیں۔ گزشتہ روز انہوں نے بھی یہ خبر اخبار میں پڑھ لی کہ عارضہ قلب کا مریض طنز و مزاح کی زیادتی کی وجہ سے ہنستے ہنستے فوت ہو گیا چنانچہ آج ان سے ملاقات ہوئی، تو بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے، ہنستے تو پہلے بھی کم تھے، مگر آج تو انہوں نے تبسم کی بھی "لوڈشیڈنگ" کی ہوئی تھی اور اس کیلئے دانت پوری طرح بھینچے ہوئے تھے کہ کہیں کوئی مسکراہٹ سرزد نہ ہو جائے۔ کہنے لگے "وہ خبر پڑھ لی تھی" ہم نے پوچھا "تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟" کہنے لگے "آج اخبار میں ایک بیگم صاحبہ کی تصویر چھپی ہے جنہوں نے نادار خواتین کیلئے ایک لاکھ روپے کے عطیات جمع کئے ہیں!" ہم نے کہا "مگر اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" کہنے لگے "ہنسنے کی وجہ میری ذاتی معلومات ہیں اور وہ ذاتی معلومات یہ ہیں کہ اس ایک لاکھ روپے کے عطیے کیلئے جو مینا بازار لگایا گیا تھا، اس پر کئی لاکھ روپے صرف ہوئے ہیں!" یہ کہتے ہوئے ان کے بھینچے ہوئے دانت کھلے، بس یوں لگتا تھا کہ ابھی ہنس پڑیں گے، مگر خدا ترس آدمی ہیں، انہیں غالباً اپنی موت یاد آ گئی، چنانچہ ہنسنے کی بجائے دوبارہ ایک دم سے سیریس ہو گئے!

سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ متذکرہ خبر نے ہم کو نہیں ہم جیسے بہت سوں کو دہلا کر رکھ دیا ہے۔ جو بات بات پر دانت نکالنے کے عادی ہیں، بلکہ ساری عمر گزرنے کے بعد ہمیں تو:

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

والے شعر کا مطلب بھی پہلی دفعہ سمجھ میں آیا ہے۔ اسی طرح پہلے اگر کسی کو ہنستے دیکھتے تھے تو خوش ہوتے تھے کہ چلو کوئی تو ایسا ہے جو ہنسنے کا حوصلہ رکھتا ہے، یا اگر کسی خوش رو کو ہنس ہنس کر باتیں کرتے پاتے تو فوراً:

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں
وہ تبسم وہ تکلم تری عادت ہی نہ ہو

والا شعر دل ہی دل میں دہرانے لگتے تھے اور یوں اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جاتے تھے، مگر اب تو ایسی صورت میں اپنی جان کے نہیں، اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں کہ جانتے ہیں اس تبسم نے ہمیں کیا لے کر بیٹھنا ہے، کہیں خود اس کو نہ لے کر بیٹھ جائے۔ سو وہ ستو یہ خبر پڑھ کر ہماری تو جان عذاب میں آ گئی ہے۔

رونے کی پہلے اجازت نہیں تھی ہنسنے کی اب نہیں رہی۔

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
"وہاں رونے پہ پابندی، یہاں ہنسنے پہ پابندی"

افسانہ

# تھوڑی سی تنہائی

نیلم احمد بشیر/ لاہور

''کیا کروں یار...... بڑی مصیبت پڑ گئی ہے۔'' مونا کی آواز سے جھنجھلاہٹ صاف عیاں تھی۔

''کیوں؟'' فون کی دوسری طرف سے شبو کی آواز آئی۔

''ہونا کیا ہے۔ وہ آپا کی کوٹھی کے اوپر والا ہے نا...... سمیع!''

''وہ کرایہ دار؟''

''ہاں ہاں وہی!''

''کیا کیا اس نے؟''

''کرنا کیا تھا...... بس عاشق ہو گیا ہے اور کیا!'' دونوں طرف سے ہنسی کی پھلجھڑیاں چھوٹنے لگیں۔

''اچھا تو اس میں اتنا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ تو عادی ہیں اس بات کی۔ آپ پر تو لوگ ہمیشہ سے عاشق ہوتے چلے آئے ہیں...... ریلیکس اینڈ انجوائے اٹ!''

''نہیں بھئی میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ ایک تو وہ وقت بے وقت فون کر دیتا ہے۔ نہ سوچتا ہے، نہ سمجھتا ہے۔ تم کو تو پتہ ہے میں کس طرح سے مصروف ہوں، اور اگر منہاس کے کانوں میں بھنک بھی پڑ گئی کہ میں کسی سے فون پر بات کر لیتی ہوں تو پھر میری خیر نہیں۔ حسد کے مارے فوراً ہی گنڈاسے والا سلطان راہی بن جاتا ہے۔ جسم پر از منہ قدیم کے ڈائنا سور کی طرح کانٹے اُگ آتے ہیں اور بس...... ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔''

''اللہ!'' ہنسی میں قہقہے شامل ہو گئے۔

''اچھا بائی دی وے وہ ہے کیسا...... سمیع، کرایہ دار؟''

''شکل میں تو لاجواب ہے۔ بڑا ہینڈسم ہے ایمان سے۔''

''سچ؟''

''ہاں تو اور کیا...... صحت مند، متوازن جسم...... بڑی بڑی آنکھیں...... کالی کالی مونچھوں کی موٹی سی تہہ...... سفید، چمکتے دانت، جیسے ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار کے لیے بنے ہوں۔''

''اور عمر؟''

''ارے بھئی ٹھیک ہے۔ مشکل سے اٹھائیس انتیس کا ہوگا۔ سب سے اچھی بات یہ کہ مائل بہ کرم ہے۔''

''تو پھر آپ کو کیا تکلیف دیتا ہے؟ کہتا کیا ہے؟''

''کہتا کچھ نہیں۔ ابھی تو صرف کبھی کبھار ٹیلی فون ہی کر دیتا ہے اور بڑے مہذب انداز میں اپنی پسندیدگی کے ہلکے سے اشارے دیتا ہے۔ کھل کر نہیں کہتا۔''

''ہوں! دلچسپ کیس معلوم ہوتا ہے۔ بھئی تو بات کر لینے دیا کرو نا۔ حرج کیا ہے؟''

''نہیں یار! اسے اُمید بندھ جائے گی اور میں قطعاً انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔''

''اچھا!''

''تیرا فون نمبر دے دوں؟''

''جی نہیں، ہرگز نہیں۔ مجھ سے پہلے نہیں سنبھالے جا رہے۔ آپ مجھ پر مزید بوجھ لادنے کا سوچ رہی ہیں۔ یہاں تو نو ویکنسی کا بورڈ لگایا ہوا ہے جناب! ارے یار، ایسا کرتے ہیں...... ایک کام کرتے ہیں...... اسے عالیہ کا فون نمبر دے دیتے ہیں۔''

''اوہ تمہاری وہ سہیلی! بڑی پھسپھسی ہے یار۔ جسم کے ساتھ ساتھ اس کا ذہن بھی مریل سا ہے۔ سوکھی سڑی! سانولی رنگت پر اتنے گہرے رنگ کے کپڑے پہنتی اور جامنی شیڈ کی لپ سٹک لگاتی ہے۔ سمیع کو ہرگز پسند نہیں آئے گی۔''

''بھئی اس نے کون سی دیکھ رکھی ہے۔''

''ہاں لیکن مشکل یہ ہے کہ میں نے اسے ایک دوبار کہا کہ کسی اپنی ہم عمر یا کالج گرل سے دوستی کرے تو کہنے لگا۔ آپ کا کیا خیال ہے، مجھے لڑکیوں کی کمی ہے؟ جی نہیں؟ مجھے صرف آپ کی شخصیت سے دلچسپی ہے۔ آپ اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں۔ تھینک یو ویری مچ......''

''سبحان اللہ! کیا بوسیدہ لائن ہے۔ شخصیت میں دلچسپی والی! ان عاشقوں کو ایک ریفریشر کورس دینا چاہیے عشق کرنے کے لیے، جس میں کچھ اس طرح کی باتیں ہوں کہ مجھے آپ کے ڈش انٹینا میں دلچسپی ہے یا موبائل فون کے بغیر زندگی ادھوری سی محسوس ہوتی تھی اور جب سے آپ کے ساتھ موبائل فون پر گفتگو کرنا شروع کی ہے میری ذات کے کچھ ایسے پہلو مجھ پر

آشکار ہوئے ہیں کہ میں حیران سا ہو کر رہ گیا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔''

ہنسی کی بارش ہونے لگی۔

''نہیں ویسے آئی ایم سیریس۔ عالیہ کا کیس بہت توجہ طلب ہے۔ بے چاری بہت ٹھکری ہوئی ہے۔ اس کی زندگی میں سوائے گھر، شوہر بچوں کے کچھ نہیں۔ یونو، کتنا خالی پن ہوتا ہے زندگی میں جب کوئی چاہنے والا نہ ہو۔ زندگی کی بے رحم موجوں کا مقابلہ کرتے کرتے ہم تھک جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود سفر کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے اندر یہ خواہش بھی زندہ رہتی ہے کہ ہمیں سہارا دینے والا، آسودگی بخش ہمارا اپنا ایک ننھا سا پرائیویٹ جزیرہ بھی ہمارے پاس ہو جہاں ہم سر چھپا سکیں۔''

''لیکن عالیہ فارغ تو نہیں۔ اس کی تو بوتیک بھی ہے، اسے مصروف رکھنے کے لیے اور اس کا میاں بھی سنا ہے اس کا دیوانہ ہے۔''

''ہاں لیکن میاں تو سال میں چھ ماہ جرمنی میں گزارتا ہے اس کا آدھا بزنس وہاں ہے اور آدھا یہاں۔ عالیہ کو تنہائی کی وجہ سے شدید ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں۔ گاڑی لے کر اکیلی آدھی آدھی رات کو ویرانوں میں نکل جاتی ہے۔ شی از ویری لونلی بھی۔ ابھی کل پرسوں ہی میری اس سے بات ہوئی تو مجھے بتانے لگی کہ پچھلے کچھ دنوں سے وہ بہت زیادہ اداس اور پریشان ہے۔ ایک واقعے نے اس کی ایگو بہت بری طرح ہرٹ کی۔''

''کیا ہوا؟''

''ہوا یہ کہ سکول پر بچے چھوڑنے، پک اپ کرنے میں ایک نوجوان سے مسکراہٹوں کا کچھ دنوں سے تبادلہ ہو رہا تھا۔ کہیں رک کر ایک دوسرے سے فون نمبر لیے گئے۔ فون پر کچھ دن بات چیت کا رشتہ ڈیولپ ہو جانے کے بعد ملاقات کا مرحلہ آیا۔ عالیہ بڑی خوش تھی۔ اسے اپنی زندگی میں ایک نئی اُمنگ پیدا ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ سارا دن کپڑوں کا انتخاب کرنے میں گزرا۔ جب ریستوران میں کافی پیتے ہوئی عالیہ نے سگریٹ سلگایا تو حضرت کے تیور بدل گئے۔ کہنے لگا سموکنگ کرنے والی خواتین مجھے ٹرن آف کر دیتی ہیں۔ اس دن کے بعد سے اس نے فون تک نہیں کیا۔ عالیہ تو ہمیشہ سے چین سموکر رہی ہے۔ اس واقعے سے اتنی دل برداشتہ ہوگئی ہے کہ گھنٹوں ویلیئم لے کر سوتی رہتی ہے۔

''چچ...... چچ...... بے چاری! واقعی اُسے کسی کی ضرورت ہے۔ بہت تنہا ہے وہ۔ تھنک! ہاؤ سیڈ!! ہاں ٹھیک ہے سمیع کے ساتھ اس کی دوستی کروا دیتے ہیں۔ دونوں آپس میں گپ شپ کریں۔ ایک دوسرے کا دل بہلائیں۔ ہمیں کیا؟ اچھا ہے۔ کارِ خیر ہے یہ تو، اچھا۔ اس کا نمبر لو'' نمبر لکھوایا گیا۔ ''اچھا لیکن سمیع کو فون نمبر دے کر یہ نہ کہنا کہ یہ لڑکی بڑی تنہا اور متلاشی ہے۔ کسی کی دوستی کے لیے مر رہی ہے۔ وہ اسے کہے کہ میں نے آپ کو سکول کے آگے بچوں کو لاتے لے جاتے کئی بار دیکھا ہے اور آپ کی شخصیت میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ بڑی مشکل سے آپ کا فون نمبر حاصل کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ تاکہ اس کی انا کی ساکھ دوبارہ بحال ہو سکے۔ ورنہ اگر اسے پتا لگا کہ ہم نے خیرات کے طور پر یہ میچ میکنگ کی ہے تو......''

''ہاں ہاں پتا ہے۔ اس کی انا کا مسئلہ ہے...... لیکن یار! وہ یہ کیسے اسے کہے گا کہ وہ سکول کے پاس اسے دیکھتا رہتا ہے۔ اس کے تو بچے ہی نہیں ہیں نا!''

''ہاں یہ بات تو ہے۔''

''کہہ دے میرا گھر سکول کے پاس ہے۔''

''لیکن وہ تو مزنگ چونگی کی ایک بلڈنگ میں اُوپر کے پورشن کا کرایہ دار ہے۔''

''اچھا وہ کام کیا کرتا ہے بھلا؟ تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں۔''

''بھئی اخبار میں رپورٹر ہے۔ بتایا ہوگا۔''

اسی لمحے خاموش سرد ہوا کا جھونکا کمرے میں داخل ہوا۔

''اچھا! رپورٹر!!'' آواز میں ڈھیلا پن پیدا ہو گیا ''اس کے پاس گاڑی ہے؟''

''گاڑی؟ نہیں تو...... میرا خیال ہے، موٹر سائیکل ہے۔''

''موٹر سائیکل؟ یہ تو گڑ بڑ ہوگئی ہے۔''

''کیوں؟ دوستی سمیع سے کرنا ہے یا اس کی موٹر سائیکل سے؟''

''بھئی سمجھا کرو۔ فون پر بات ہوگی۔ بات آگے چلے گی۔ وہ توقع کرے گی کہ دونوں باہر جائیں، کھانے وانے کھائیں، لانگ ڈرائیوز پر جائیں، راستے میں میوزک سنیں......! You know.''

''ہاں، یہ تو ہے۔ موٹر سائیکل پر تو......''

''ظاہر ہے ممکن نہیں۔''

''میرا خیال ہے عالیہ کا نمبر سمیع کو نہ ہی دیں۔ اگر اسے پتا لگا کہ ایک موٹر سائیکل والا اس میں انٹرسٹڈ ہو رہا ہے تو اس کی ایگو کتنی ہرٹ ہوگی۔ اب وہ اتنی تنہا بھی نہیں......''

افسانہ

# بانجھ محبت کا دُکھ

روشانے سبعین/لاہور

"میں ڈھلتا ہوا سورج ہوں......! میری تمازت تمہارے وجود کو اپنا اسیر بنانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ میں وہ گزرا وقت ہوں جو بہت جلد کتاب ماضی کے بوسیدہ اوراق میں کہیں کھو جائے گا۔" بوڑھا مصور لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔

"کیا محبت عمروں کے تفاوت کو دیکھتی ہے......؟" اُس کے دل کی طرح اُس کا لہجہ بھی ٹوٹا سا تھا۔ بوڑھے کا وجود جیسے طوفانوں کی زد میں آ گیا۔ گھبراہٹ رگوں کو توڑنے لگی۔

"محبت......؟"

اُس نے پھٹی پھٹی نظروں سے سیاہ ساڑھی میں لپٹی اُس سنگ مرمر سے تراشے بدن والی حسین عورت کو دیکھا جس کے شفاف بدن کی چاندنی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس کے گلابی عارضوں کے بھنور بوڑھے مصور کو سمندر میں پڑے گردابوں سے لگے۔ وہ درد بھری نرگسی آنکھوں میں غرقاب ہونے لگا۔ خاموش آنکھیں درد کی انوکھی داستانیں سنا رہی تھیں۔

حیا کے بار بار بکنے کا درد......!!

جسم و جاں کے بے مول ہو جانے کا درد!!

تماش بینوں کے لیے وہ کیا تھی؟

کسی شاعر کی مکمل غزل یا کسی مصور کا حسین خیال

لیکن بوڑھے کو تو وہ کھنڈرات میں بھٹکتی کوئی اُجڑی روح لگی۔

"ہر روز پل پل مرتی ہوں میں......!!" ہولناک سناٹے میں اُس کی آواز گونجی۔

اُس نے شاید بوڑھے کی خاموش سوچیں پڑھ لی تھیں۔

"ہاں......شاید تم کسی تازہ تازہ قبر سے نکل کر آئی ہو۔" پپڑی زدہ ہونٹوں والا بوڑھا بڑبڑایا۔

"سچ کہا......زندہ لاش ہوں" درد آہ بن کے عنابی لبوں سے نکلا۔

سانسوں کے زیر و بم سے چھاتیوں کی تھکن نمایاں تھی۔

بار بار بکنے سے شاید روح بھی بک جاتی ہے!!

کٹا پھٹا، ویران بدن، کبھی کسی کے بستر کی زینت، کبھی کسی کی آغوش کی رونق، بوڑھے مصور کو عورت کا یہ روپ ڈرا نہ پایا۔

وہ اُس سے نفرت کرنے کا مجاز بھی نہ تھا۔

نفرت کرتا بھی تو، کیوں......؟

وہ اپنا جسم بیچتی تھی......اور وہ اپنا فن!!

اُس کے جسم کے خریدار تھے، تو اُس کے فن کے قدردان" بات تو ایک ہی تھی ناں......!!"

یکا یک بوڑھے مصور کی نظروں میں اپنا عظیم بت دھڑام سے گرا اور زمین بوس ہو گیا۔ اردگرد پھیلے ٹکڑے بوڑھے کو اپنی روح میں گڑھتے محسوس ہوئے۔ سیاہ ساڑھی والی اُس کی پل پل بدلتی کیفیت کو اچھی طرح بھانپ چکی تھی۔ ایک زہریلی مسکراہٹ اُس کے شہابی ہونٹوں پر سرسرائی تو گالوں کے بھنور گہرے ہو گئے۔ بوڑھے مصور کو یکا یک سینے میں بے پناہ تلخی محسوس ہوئی، وہ تیزی سے پلٹا، ٹوٹی پھوٹی الماری کے کواڑ کھولے، وسکی کی بوتل نکالی اور غٹاغٹ چڑھا گیا۔

آنکھیں وحشت سے چڑھ گئیں......حلق میں کڑوا سیال انڈیلنے کے بعد اُسے لگا سینے کی تلخی کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ وہ بے اختیار لڑکھڑا سا گیا۔

سیاہ ساڑھی والی تمکنت سے خراماں خراماں چلتی ہوئی اُس کے قریب پہنچی۔ اُس کا ہر ہر بڑھتا قدم اُس بات کا گواہ تھا کہ وہ اپنے پیشے میں کتنی ماہر ہے۔ وہ بوڑھے مصور کے اتنے قریب تھی کہ اُس کی گرم سانسوں کی حدت اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوئی۔

بوڑھے کا سانس بند ہونے لگا!!

نبض ڈوبنے لگی......!!

وہ اس شمع کی طرح پھڑپھڑایا جو بجھنے سے پہلے اپنی لو یکا یک تیز کر دیتی ہے۔ اس ساحرہ کی قربت میں اُسے اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوئیں۔ ہاتھ سے بوتل چھوٹ کر دور جا گری۔ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پکڑا ہوا برش جیسے لرز رہا تھا۔

سیاہ ساڑھی والی مسکراتی ہوئی ملک الموت کی طرح ایک قدم اُس کی جانب اور بڑھی۔

"تم رکو......وہیں رکو......!!" بوڑھا حلق کے بل چلایا۔

"اتنی تحقیر کیوں......؟ تم زمرد اور میں یاقوت......! آہ......دونوں قیمتی اور اگر رُل جائیں تو بے مول پتھر......"

سیاہ آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے اور گالوں میں پڑنے والے گڑھوں میں کہیں کھو گئے۔

بوڑھے کو خود پر شدید ندامت محسوس ہوئی۔

شاید اُس کے بوڑھے سینے پہ سر رکھ کر سسکنے لگی۔ بوڑھے نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ ساحرہ کی آنکھوں سے نکلے اشک اُسے اپنے بدن پر تیزاب کی طرح گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

سب کچھ جل رہا تھا......سلگ رہا تھا......دو انسانوں کے دل اُن کی روحیں......سب جل رہا تھا۔

"اللہ......دنیا طوائف کو محبت کرنے کا حق

کیوں نہیں دیتی؟''

بوڑھے نے بے اختیار اُس کی طرف دیکھا جس کے لبوں نے ہولے سے جنبش کی تھی۔

''زمرد! اس بکاؤ جسم میں بھی اک دل دھڑکتا ہے، پوتر اور پاک......''

فضائیں ساکن تھیں...... سسکیوں کی آواز بوڑھے کو دھیرے دھیرے پگھلانے لگی۔

صدیاں لمحوں میں ڈھلنے لگیں۔

تاریکی کی دبیز تہہ چہار سو پھیل رہی تھی۔ اس سنہری روح کے سامنے بوڑھا خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔

''اے عشق! میں نے تجھے پالیا'' محبتوں کا بیوپار کرنے والی تن من ہار کے بھی سرشار تھی۔

''اے رات...... گواہ رہنا، میں نے اپنی ان چھوئی روح عشق پر واردی''

زمرد...... میرے محبوب!

میرے رازداں!

میرا جاں گسل انتظار تمام ہوا...... مجھے مراد مل ہی گئی۔ اب موت بھی آئے تو کیا غم......!!

پاگل پن تھا...... نشہ تھا...... سرشاری تھی۔

عشق ہی عشق تھا...... ہر سو عشق تھا۔

اے کاش...... کوئی وقت کی نبض پہ ہاتھ رکھ لے۔ وقت تھم جائے، ٹھہر جائے۔''

طوائف کے دل نے تمنا کی۔

وقت کی طنابیں ہاتھ سے چھوٹ رہی تھیں۔

نصف شب کے بعد چاند دھندلا سا گیا۔

ہوائیں شائیں شائیں کرنے لگیں۔

بوسیدہ کھڑکی کے پٹ تیز ہوا کے دباؤ سے یک دم کھل گئے۔ مدہوشی کا سحر لمحوں میں ٹوٹا تھا۔ دفعتاً جذبوں کے ریلے میں بہتے نفوس جیسے ہوش کی دنیا میں واپس لوٹ آئے۔ سیاہ ساڑھی والی بوڑھے کو کسی عفریت کی طرح لگی۔ بوڑھے کے حواس معطل ہونے لگے۔

آندھی اور گرد کے بگولے اُٹھ رہے تھے......

شاید شمال کی سمت سے طوفان اُٹھا تھا۔ طوائف کو لگا یہ سرخ آندھی ہے، جو ہر شے کو تہہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔ وہ دہل گئی۔ کمرے میں شمع دان میں جلتی موم بتیوں کی لو دیواروں پر عجب پرچھائیاں بنا رہی تھی۔ اُس نے سراسیمہ سی نظروں سے مصور کو دیکھا، جو گنگ سا اُسے ہی تک رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ ان جانا خوف۔

''خدایا...... مجھ سے یہ کیا گناہ ہو گیا؟''

بوڑھے مصور کی پیشانی ندامت سے عرق آلود ہو گئی۔

''گناہ......!'' تذلیل کے احساس نے جیسے طوائف کو زمین پہ گرے معمولی تنکے سے بھی حقیر کر دیا۔

''گناہ......؟ کیا میں صرف گناہ ہوں؟'' یہ لفظ طوائف کے وجود میں کئی شگاف ڈال گیا۔

''نہیں خدارا، ایسے مت کہو میں سرتا پا محبت ہوں۔'' وہ مصور کے سامنے گڑگڑائی، لیکن وہ اس کی ذات سے بے نیاز بت بنا کھڑا تھا۔

ٹک...... ٹک...... ٹک

کوئی لاٹھی ٹیکتا زینہ زینہ اوپری منزل کی اور بڑھ رہا تھا۔ اوپری منزل پر گول کمرے کے ساتھ بوڑھے کی خواب گاہ تھی۔

''زمرد...... زمرد......!!'' کمزور آواز کی اس پکار پہ بوڑھا تڑپ کے رہ گیا۔

''زمرد! کہاں ہو تم؟ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ یکا یک یہ آندھی طوفان بارش...... مجھے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے۔ مرد...... تم کہاں چلے گئے؟''

کمزور لرزتی آواز میں لجاجت اور گھبراہٹ تھی۔

کھڑکی کے پاس ایستادہ بوڑھے کا بت اسی طرح بے حس و حرکت رہا۔ طوائف ایک ٹک اس نحیف و نزار نابینا عورت کی طرف دیکھ رہی تھی جو بوڑھے مصور کی بیوی تھی۔ اس کے کبوترے چہرے پہ ڈھیروں جھریاں اور بے چارگی تھی اور آنکھوں کی سفید بے جان پتلیوں میں تفکر اور اکلاپے کا خوف رقصاں تھا۔ وہ اپنے لٹکے ماس والے کمزور ہاتھوں سے لاٹھی ٹیکتی اِدھر اُدھر چیزوں کو ٹٹولتی پھر رہی تھی۔

بوڑھا اور طوائف سانس روکے کھڑے تھے۔

سفید بے جان آنکھوں کا کرب طوائف کے وجود میں نیزے کی انی کی طرح گڑ گیا۔

کوئی آہٹ نہ پا کر بڑھیا زمرد، زمرد کی تکرار کیے نامراد لوٹ گئی۔

''زمرد! یہ بے نور آنکھوں والی......؟'' کئی ساعتوں کے توقف کے بعد طوائف نے خاموشی کے دریا کو پار کرنے کی جسارت کی۔

''زمرد...... زمرد......!!'' یہ آوازیں دل خراش چیخیں بن کر بوڑھے کی سماعتوں پہ پتھر برسانے لگیں۔

''طوائف......! محبت وہ ہے'' بصارت سے محروم' بوڑھا حلق کے بل چلایا...... لہجہ میں جہانوں کی حقارت تھی۔

طوائف...... طوائف چہار سو اسی ایک آواز کی بازگشت گونج رہی تھی۔

اور طوائف سچ میں مرگئی۔ محبت اپنا راستہ بھٹک گئی تھی۔ بوڑھے مصور کے عظیم فن پاروں کے درمیان اک زندہ لاش کا حقیقی لاشہ پڑا تھا۔

منہ سے لہو کی لکیر پھوٹی تھی، شاید کلیجہ پھٹا تھا۔

# انتہا

علی اختر/فیصل آباد

پچھلے کچھ دنوں سے وہ اپنے آپ میں ایک عجیب تبدیلی دیکھ رہا تھا۔ وہ رات کو جب سونے لگتا نینداُس کی آنکھوں کے کناروں تک آ کر واپس پلٹ جاتی۔ بالکل اس طرح جیسے سمندر کی البیلی چھل کنارے چوم کر لوٹ جاتی ہے۔ ممکن ہے وہ نیند کی یہ ستم برداری کو قبول کر لیتا۔ لیکن اس کے ساتھ المیہ یہ بھی تھا کہ جونہی نیند کی دبازت اس پر طاری ہونے لگتی وہ کہیں سے اچانک اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا۔

وہ اسے بالکل نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اُس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق تھا۔ مگر پھر بھی وہ اس بات پر مصر تھا کہ وہ اُسے اتنا جانتا ہے جتنا وہ خود بھی اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ اُس نے کئی بار اُس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا سوچا لیکن اس کا اصرار تھا کہ جب وہ...... تو ہے...... اور جب تک تو...... وہ ہے۔ وہ اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ وہ ساری رات جاگتے ہوئے گزار دیتا تھا اور دن چڑھے تک بستر پر پڑا رہتا تھا۔ اُس کی بدلتی ہوئی عادتوں سے اُس کے گھر والے بھی بے حد پریشان تھے۔ یہاں تک کہ اب وہ اس سے باقاعدہ جھگڑنے لگے تھے۔ اُس کی والدہ اور بہنیں اُسے ٹوکتی تو وہ انتہائی درشت لہجے میں انہیں جواب دیتا۔ اسی لیے اب خوف کے مارے اُسے کوئی بھی نہیں چھیڑتا تھا۔ عجیب چڑچڑا پن اُس کی طبیعت میں شامل ہو گیا تھا۔ جس سے وہ خود بھی پریشان تھا۔

آج بھی جب وہ بارہ بجے تک بستر سے نہ اُٹھا تو اس کی والدہ غصے میں اُس کے سرہانے آ کر دھاڑی۔

زندگی کو بے زاری اور مایوسی کے پھندے سے پھانسی دے کر مسائل حل نہیں ہوتے۔ اس کے لیے ہمت کرنا پڑتی ہے اور موت اُسی وقت آتی ہے۔ جب اُسے زندگی کو جیتنا مقصود ہو۔ اتنے ڈھیٹ نہ ہو......!

والدہ کی درشت باتیں سننے کی تو اُسے عادت ہو ہی چلی تھی۔ آج تو اس کی چاروں بہنوں نے بھی اُسے لعن طعن میں انتہا کر دی۔

"لوگ پوچھتے ہیں کہ تمہارا بھائی کیا کرتا ہے۔ ہم انہیں کیا بتائیں کہ وہ پڑھا لکھا نکما ہے۔"

تمہارا کیا ہے۔ تم لڑکے ہو۔ گھر میں چڑھتی جوانیوں کی دوسری دھوپ دیکھ کر ہی کچھ کر ڈال۔ کہاں لے جاؤں گی۔ بچیوں کا بوڑھا باپ سے جتنی محنت ہو سکتی ہے۔ وہ کر رہا ہے۔ کب تک تمہارے منہ میں نوالے توڑ توڑ کر ڈالتا رہے گا۔ اُس کی والدہ رو دی۔

مگر وہ بے حسی سے لیٹا رہا اور اتنی باتوں پر بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ جب وہ سارے ادھر ادھر ہو چکے۔ تو وہ بستر سے اُٹھا۔ چہرے پر پانی کے چند چھینٹے گرائے اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

آوارہ گردی کے اس زمانے میں اُس نے ہر دوست کو پرکھ لیا تھا۔ وہ بھی جو طالب علمی کے زمانے میں اُس کے بہترین ساتھی رہے تھے اور اونچے عہدوں پر پہنچے ہوئے تھے اور وہ بھی جو بچپن کی حسین یادوں کے امانت دار تھے۔ اب وہ سارے اس سے اجتناب برتنے لگے تھے لیکن وہ پھر بھی اُن کے پاس جانے پر مجبور تھا کہ وقت تو بہر حال اُسے گزارنا تھا۔ اُس نے۔ بہت تگ و دو کی کہ کہیں چھوٹی موٹی ملازمت کا آسرا مل جائے۔ کئی اداروں میں اُس نے قسمت آزمائی۔ مگر لگتا تھا کہ ملازمت کا ہما اُس کے سر پر بیٹھنے سے ڈر رہا ہے۔ تب اُس نے دوستوں سے اُدھار لے کر آ کڑے، ٹنڈولے اور پنگھوڑوں کی پرچیاں بھی خریدیں کہ شاید اسی طرح اُس کے مقدر کھل جائیں۔ مگر یہ بھی فضول رہا۔

اُس رات بھی اُسے یہی سوچ کھائے جا رہی تھی۔ اُس کی والدہ کا غصہ اور والدہ والد کی سرزنش نے اُس کی سوچوں کو اتھل پتھل ڈالا تھا۔ نینداُس کی آنکھوں کے کناروں کو چوم کے واپس جا چکی تھی کہ وہ اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

کیا چاہتے ہو تم مجھ سے...... دوسرے رشتوں کی طرح تم بھی میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ وہ چیخا۔

محبتوں میں دراڑیں پڑ جائیں تو ایسا اکثر ہوا کرتا ہے۔ وہ ہنسا۔

آخر...... کیا کمی ہے۔ مجھ میں...... میرا تعلیمی پیریڈ انتہائی درخشاں تھا۔ مگر مجھے ملا کیا۔ میرا تو مقدر ہی خراب ہے۔ وہ رو دیا۔ انسانی معاشرے کی زمین بانجھ ہو جائے تو اسے علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ چارہ گروں کی تلاش ہوتی ہے۔ اُسے مزید بنجر بنانے سے اسی طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جیسے اُسے سمجھانے پر تلا ہوا تھا۔

نصیحتیں اور مشورے میرے دکھ کا علاج نہیں۔ اس نے دل جلے انداز میں جواب دیا۔

"جب سفارشی چٹیں انسانی مقدروں کا رزق چاٹنے لگیں۔ تو ایسا ہی ہوتا ہے......!"

تو...... میرا مقدر کہاں ٹھہرتا ہے...... الٹا اُس نے سوال کر ڈالا۔

جب پسند و ناپسند اور اقربا پروری کے جال سے انسانی سمندر میں سے چند نکال لیے جائیں تو باقی بے چین تو ہوں گے ہی...... وہ بولا۔

مگر اس میں میرا کیا قصور ہے...... وہ بلبلایا

بنیادی خامیوں کی طرف دھیان نہ دے کر

بلڈنگ کے کج دور کریں گے۔ تو افراتفری ہی جنم لے گی۔ وہ اُسے شانت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میرے والدین نے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق مجھے تعلیم دلائی۔ وہ ان پڑھ ہونے کے باوجود میرے لیے اپنی آنکھوں میں سہانے خواب سجائے رہتے ہیں۔ وہ سسک کر بولا۔

تم بہت بھولے ہو...... بہت پرانی سوچ کے حامل۔ ناک سے آگے دیکھنے کی کوشش کرو۔ تو تمہیں پتہ چلے۔ تم کس قدر پیچھے ہو۔ مسکراتے ہوئے اس نے نشاندہی کی۔

پھر میں کیا کروں...... وہ بولا۔

تمہاری تعلیمی ڈگری پرانے زمانے کی وہ گھڑ خاتون ہے۔ جسے میک اپ کے جدید تقاضے بھی ٹھیک نہیں کر سکتے۔ تم جانتے ہو کہ آج تعلیمی ڈگریوں کی خوبصورت، نازک اندام اور نک سک کی حامل ماڈلز ACCA, CAT, BBA, CMA, CSS اور CF کی شارٹ، بکنیاں اور ٹراوزر پہنے زندگی کی سٹیج پر کیٹ واک کرتی ہیں۔ تو ان کی چکا چوند میں بولی ہمیشہ بڑھ کے لگتی ہے۔ ایسے میں تمہاری ڈگری سادہ اور معصوم جس کے حسن کو نکھارنے کی کریمیں بھی تمہاری سوچ اور پہنچ سے دور ہیں۔ تمہی بتاؤ...... قیمت کس کی لگے گی۔ اُس نے وضاحت سے بتایا۔

وہ یہ سن کر نڈھال ہو گیا...... پھر آہستگی سے بولا۔

میں دو انتہاؤں کے درمیان معلق نہیں رہنا چاہتے۔ مجھے کوئی نہ کوئی راستہ چاہیے۔

دیکھو...... ایک انتہا تمہیں شانت راستوں کا پتہ دیتی ہے۔ جبکہ دوسری انتہا تباہی و بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ دکھانے والے نے دونوں کی دسترس تمہارے ہاتھ دے رکھی ہے۔ وہ ٹھہرے لہجے میں بولا۔

ٹھیک کہا تم نے...... اس نے بھی شاید میرے معدوم سفر کو دیکھ کر مجھ سے آنکھیں چرانا شروع کر دی ہیں! مائدہ کو وہ بچپن سے پسند کرتا تھا۔ وہ اُس کی رشتہ دار بھی تھی اور خود بھی اُسے پسند کرتی تھی۔ مگر زندگی کے بند راستوں کے مسافر کو اُس نے اپنا ہم قدم بنانے سے یہ کہہ کر انکار کر ڈالا۔

دیکھو مصباح...... تم مجھے مفلسی کی ڈال سے توڑ کر اپنے گھر لے تو جاؤ گے۔ مگر وہاں ایک بھوک اور اُگا لو گے۔ وہاں تو بجھا ایسی چار لڑکیاں پہلے سے اپنی عمروں سے لپٹی بیٹھی ہیں۔ بہتر ہے پہلے اپنے قدم مضبوطی سے جما لو۔ تمہیں کوئی نہ کوئی مائدہ مل ہی جائے گی......!" وہ تمہیں چاہتی ہی کب تھی۔ ضرورتوں کو ہمیشہ خوبصورت اور زندگی سے بھرپور پہناوے کی خواہش ہوتی ہے۔ جو تمہارے پاس نہیں تھا۔ اس لیے یہ تو ہونا تھا...... جواب دیا گیا۔

تب پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ زمینی حقائق کے سونامی نے اس کے اندر کی ساری خوبصورت خواہشوں اور تمناؤں کو چاٹ لیا تھا اور اُس کے اندر مہیب سناٹوں اور اجاڑ کھنڈروں نے جنم لے لیا تھا۔

ان سرابوں میں وہ کتنی دیر تک اکیلا بھٹکتا رہا۔ اب تو اُسے خود سے نفرت ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود منزل کے حصول میں ناکام رہا تو اُس نے اپنی دوستیاں تبدیل کر ڈالیں۔ اب اُس کا اُٹھنا بیٹھنا بدقماش اور معاشرے کے ٹھکرائے انسانوں کے ساتھ تھا۔ جس کی اطلاع اُس کے بوڑھے والد کو کسی محلے دار نے دی۔ تو وہ پورے غیض و غضب سے پل پڑا اور ایک روز چیخ اُٹھا۔ حلیمہ...... اُٹھاؤ اس حرامزادے کو...... دن بھر بستر پر اینٹھتا رہتا۔ اسے بتاؤ کہ یوٹیلٹی بلوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ مگر انسانی سوچوں کا خون اس بے دردی سے نچوڑتے ہیں کہ سسکاری بھی منہ سے نکلنے نہیں دیتے۔ خون چوستے ہیں۔ وہ میرے ایسے سفید پوشوں کا...... مگر اسے کیا ...... بے حس ہو چکا ہے۔ پتھر کی طرح......!"

اُس نے تب غصے سے اپنے اُوپر اوڑھی چادر کو گرایا اور بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

اگر چلے ہو...... تو یہ بھی سن لو...... دوبارہ اس دہلیز پر قدم نہ رکھنا۔ میں سمجھوں گا۔ میں نے کسی بیٹے کو جنم ہی نہیں دیا تھا۔ تباہ کر ڈالیں۔ ہیں۔ میری سوچیں اس کم بخت نے...... وہ بے بسی سے چلا تا رو گیا۔ اپنے باپ کی باتیں اُس نے جاتے جاتے سنیں اور طے کر لیا کہ آج کے بعد وہ واپس نہ آئے گا۔ اس کا تذکرہ اُس نے اپنے ایک دوست سے کیا۔ تو اُس نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

خواہشات کی تکمیل میں رکاوٹیں تو آتی ہیں۔ مگر ان ضرورتوں سے نظریں چرانا بھی بزدلی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ تم محنت کرنے کی خواہش رکھتے ہو۔ بہادری سے جینے اور جرات سے مرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہو۔

ہوں...... اُس نے حوصلے سے جواب دیا۔

تو آؤ...... مقدر بنانے کی رکاوٹیں دوڑ میں اگر شریک نہ ہو پائے تو کیا ہوا۔ اسے جیتنے کے لیے دوسرا راستہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے اور پھر وہ دوسرے راستے پر چل نکلا۔ اُس کے دوست نے اُسے اُنگلی پکڑی اپنے اپنے مفادات کے خوبصورت ایوانوں، اُونچی اُونچی بے حس حویلیوں میں بیٹھ کر اپنی انا اور انتقام کے جنونیوں کے درمیان لا کھڑا کیا۔

اُس کے لیے یہ ایک نئی اور عجیب دنیا تھی۔ جہاں سب بے حس تھے۔ ٹھنڈے اور یخ جذبوں والے موی پتلے، لیکن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے۔ یہاں آ کر اسے پہلے بار احساس ہوا کہ امارت غربت کا گلہ کس طرح کاٹتی ہے۔ ضرورتوں کی بولی کس طرح لگائی جاتی ہے۔ وہ تو پہلے ہی بے حس تھا۔ یہاں آ کر جلد ہی ان کی طرح ہو گیا۔ اُسے کندن بنانے کے لیے امتحانات کی بھٹی سے گزارا گیا۔ تب اُسے مفادات کے جنونیوں نے اپنی ترغیب کے سانچے میں پوری طرح ڈھال کر مقاصد کے حصول کی خاطر انسانی سمندر میں ڈال دیا۔

اُسے وہ سب سمجھا دیا گیا تھا۔ جو اُس نے کرنا تھا...... اس مقصد کے حصول کے وہ دو مسافر تھے۔

دوسرا بھی اُسی کی طرح حالات کی چکی میں گھن کی طرح پس رہا تھا۔ غربت و افلاس اور ضرورتوں کی تمناؤں سے جان بچانے والا۔ اُسی کا ہم عمر تھا۔ مگر اس سے زیادہ معصوم اور خوبصورت جس کی آنکھوں میں بلا کا درد مگر اداسی کا کھنڈر آباد تھے۔ وہ دونوں اس سے پہلے کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے تھے۔ مگر دونوں کا دکھ درد ایک تھا...... اور ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے وہ قربان گاہ پر اکٹھے کر دیے گئے تھے۔ اُس نے زمانے بھر کی نفرتوں کے سارے بال بیرنگ، بے حسی اور دشمنی کی ننھی گولیوں، منافقت کے چھروں کو بارود میں لبریز جیکٹ پہنتے ہوئے اُسے دیکھا تو لمحہ بھر کو ڈول گیا۔ مگر انتقام کی خواہش اُس کے من میں جلد ہی جاگ اُٹھی۔

انہیں بتایا گیا تھا کہ مقصد حاصل ہونے پر وہ زندگی سے چاہے لوٹ جائیں۔ مگر ان کے زندہ رہنے والوں کو آسودگی نہال کر دے گی اور ان کی آخرت...... تو اس کے بعد درخشاں ہو جائے گی۔

آخرت کی روشنی کس نے دیکھی ہے...... آج ایک مدت بعد وہ پھر اس کے سامنے دن کی روشنی میں آ کھڑا ہوا تھا۔

تم...... تم میرے سب سے بڑے دشمن ہو۔ آج پھر تم میرے سامنے آ گئے ہو۔ تمہیں میری کامیابی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ کیوں مزہ لیتے ہو میری بے بسی کا...... وہ روہانسا ہو کر بولا۔

تمہیں بتانے آیا ہوں کہ مفادات کے ٹکراؤ سے ضدیں پیدا ہوتی ہیں اور ضدیں دراڑیں بن کر انسانوں کو کھا جاتی ہیں۔ میں تمہیں غلط راستوں کا مسافر نہیں دیکھ سکتا۔ اُس نے دلیل دی۔

ان راستوں پر مجھے کس نے ڈالا۔ کبھی سوچا تم نے...... اُس نے پوچھا۔

جانتا ہوں۔ پیدائشی طور پر کوئی مجرم نہیں ہوتا۔ مگر انسانی طمع، خودغرضی اور بداعتمادی کے حالات میں ڈھل کر وہ مجرم بن جاتا ہے لیکن راستوں کا انتخاب کسی کی ذمہ داری ہے۔ کبھی سوچا تم نے...... وہ سمجھانے پر تلا ہوا تھا۔

ہٹ جاؤ...... میرے راستے سے اور مجھے جانے دو...... میرے مرنے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تو کیوں زندگی کے لیے ترسوں۔ یہ کہہ کر اُس نے بارود سے بھرا تھیلا اُٹھایا اور اپنے ساتھی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

ایک مخصوص مقام پر شہر کی پرہجوم جگہ وہ دونوں اکٹھے پہنچے تھے۔ دونوں کو دو مختلف نشانے دیے گئے تھے۔ ایک نے جیکٹ پہن کر خود...... اور دوسرے نے بارود سے بھرا تھیلا کسی مقام پر رکھ کر ریموٹ سے اُڑانا تھا۔

وہ اس مقام پر پہنچے تو دونوں کے دماغ بالکل سپاٹ تھے۔ دکھ درد...... ہمدردی اور پیار کے جذبے کی بجائے نفرت، انتقام اور آخرت کی سوچ پر اٹکی ہوئی سوئیاں اپنی ٹک ٹک سے انہیں ڈرانے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے سے ہٹ کر...... لیکن ساتھ ساتھ چلتے اس مقام پر پہنچے۔ اس کا ساتھی اپنے نشانے پر پہنچ گیا تھا اور وہ دوسری جگہ بیٹھ کر اس کی حرکات کو دیکھنے لگا۔ سڑک پر جب اشارہ بند ہونے کا وقت آتا اور کسی صاحب اقتدار کی گاڑی وہاں سے روزانہ کے معمولات کے مطابق آ کھڑی ہوتی تو اُس نے اس کے قریب جا کر خود کو تباہ کر لینا تھا اور وہ تو اپنے بارود سے بھرا تھیلا ایک معروف دکان کے تھڑے کے نیچے چھپا چکا تھا۔ اس کو اُڑانے کا ریموٹ اُس کے پاس تھا۔ ایک تھوڑے وقفے بعد دونوں دھماکے ہونا تھے۔

زندگی بھرپور طریقے سے رواں دواں تھی۔ ابھی دوسرے کا مطلوبہ ہدف دور تھا۔ اُس نے بے بسی سے ایک بار آسمان کی طرف دیکھا۔ رعنائیوں سے بھرپور زندگی کا آسمان اُسے پہلی بار سندر لگا۔ دکانوں کے اوپر بنے پلازوں اور مکانوں کے اُوپر سے ہوتی اُس کی نظریں معاً ایک تین چار سالہ بچے پر پڑیں جو اپنے تین چار منزلہ مکان کی ممٹی پر کھڑا پتنگ اُڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور پچھل پیریں پتنگ اُڑانے کی تگ و دو کر رہا تھا۔

یہ بچہ تو گر جائے گا...... اس کے والدین کو اس کا کچھ پتہ بھی ہے......!

اس کے ذہن سے اپنی واردات کی تکمیل کا سارا منصوبہ بھک سے اُڑ گیا۔

بچہ ابھی تک ویسے ہی پچھلے پاؤں چلتا ہوا پتنگ اُڑا رہا تھا۔ وہ کسی خوف سے بھرپور توانائی کے ساتھ اُٹھا اور اپنی دونوں بانہیں پھیلائے اس مکان کے نیچے...... اپنے دوسرے ساتھی سے خاصی دوری پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں اس مکان پر جمی ہوئی تھی۔

پھر عین اسی وقت ایک ساتھ دو دھماکے ہوئے۔ پہلا دھماکہ اُس کے ساتھی نے اپنے ٹارگٹ کو حاصل کرتے ہوئے کیا تھا۔ جب کہ دوسرا دھماکہ پچھلے پاؤں چلتے بچے کے تیسری یا چوتھی چھت سے دکان کے چھجے پر گرنے اور وہاں سے اُچھل کر اس کی پھیلائی بانہوں میں گرنے کا تھا۔

سڑک پر جا بجا کئی پھٹی انسانی لاشیں اور بے تحاشہ خون بہہ رہا تھا۔ موت اپنا بھیانک کھیل مکمل کر چکی تھی۔ خودکش حملے میں انتہائی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی تھیں لیکن دوسری طرف ایک معصوم اور بے ہوش زندگی اُس کی بانہوں میں سانسوں کی تار جوڑے زندہ تھی۔ اُسے اس انتہا کی طرف کس نے دھکیلا تھا۔ یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ ہاں البتہ ملک کے ایک بہت بڑے اور معروف بینک کی مرکزی شاخ سے ایک اکاؤنٹ سے بڑی رقم کا چیک نکلا اور دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل ہو گیا۔

اس کے ساتھ اگلی صبح کے اخبارات میں جہاں اس خبر کو نمایاں کر کے چھاپا گیا تھا اور دوسری خبر میں اسی جگہ سے دھماکہ خیز مواد پھٹنے سے پہلے پکڑے جانے کی اطلاع موجود تھی۔ وہاں لوگوں نے یہ بھی پڑھا کہ مفادات کے اسٹاک ایکسچینج میں انسانی کاروباری حجم کے حصص میں انتہائی مندی کا رجحان دیکھا گیا اور انڈکس منفی زون میں پہنچ گیا۔

# متفرق شاعری

## اوس (دوہے)

چُن لے موتی اوس کے پل دو پل کے رُوپ
وِھن سارا لُٹ جائے گا لے جائے گی دھوپ

قطرہ ٹپکے تال میں اپنا روپ گنوائے
گُل پر قطرہ اوس کے موتی کو شرمائے

سوکھے ہونٹ گلاب کے من پنچھی مُرجھائے
ننھا قطرہ اوس کا اس کی دھیر بندھائے

بگیا بھیگے اوس سے نیر بھگوئیں نین
شیتل اک کی آتما دوجے کی بے چین

من بگیا سنگرام ہے چھپا رانی روئے
گھاؤ اپنے مادھری رجنی جل سے دھوئے

کلیاں کنچی گھاس سے بھور گزرتی جائے
چُن لے موتی اوس کے پروا آنکھ لگائے

من بگیا میں کیا نہیں تو بس دیکھے سول
رجنی موتی اوس کے بھور بھئے تو پھول

ڈاکٹر طاہر سعید ہارون/ لاہور

---

کبھی فردا سے خوف آیا کبھی ماضی کا دُکھ چھایا
مجھے تو لمحہ موجود بھی نصرت نہ راس آیا

تو پھر کیا ہو گیا میں آنسوؤں سے کام لے لوں گا
مری کشتِ تمنا پر اگر بادل نہیں چھایا

فروغِ ظلمتِ شب کا سفر ہے دیکھنا یہ ہے
کہاں تک ساتھ دیتا ہے تمہاری یاد کا سایا

کسی دامن کو بھر دیتا کسی کے کام آ جاتا
یہ میرے آنسوؤں کا قیمتی بے کار سرمایا

اندھیروں پر بھی ہم نے سو طرح سے نقطہ چینی کی
اُجالوں کو بھی اکثر موردِ الزام ٹھہرایا

مری آنکھوں میں سکوں کی طرح آنسو ڈھلے نصرت
مرے آگے کسی مفلس نے جب بھی ہاتھ پھیلایا

نصرت صدیقی

---

میں اک دیار ہوں، اس کی دلیل کر دیجے
مرے وجود پہ اپنی فصیل کر دیجے!

سنا ہے آپ کے قدموں سے چشمے جاری ہیں
مرے وجود کے جوہڑ کو جھیل کر دیجے

سوائے آپ کے کچھ بھی رہے نہ یاد مجھے
یوں اپنے آپ کو مجھ میں دخیل کر دیجے

ہر ایک حرفِ سخن سے ہو آپ ہی کا ظہور
مرے کلام کو اپنا مثیل کر دیجے!

حیات کرنے کا ہر فن گرفتِ موت میں ہے
مری طوالتِ عمری قلیل کر دیجے

سزا گناہوں کی دینا اگر ضروری ہے
اسی جہان میں مجھ کو ذلیل کر دیجے

مجھے بھی شوق ہے پیاسوں کے کام آنے کا
مرے وجود کو آبی سبیل کر دیجے

مرے جنون کو پھر سے عطا ہو آزادی
مرے شعور کو پھر بانکیل کر دیجے

ابھی تو نافِ شبِ غم کو بھی نہیں پہنچے
کہانی اپنی خدارا طویل کر دیجے

زمانہ آتشِ نمرود ہو گیا یارب!
مجھے رسول نہیں ہاں خلیل کر دیجے

قرارِ کعبۂ دل کے لیے مرے اللہ
مرے کلام کو تفسیرِ فیل کر دیجے

بڑے نحیف مسلمان ہیں خدائے پاک
پھر ایک بار انھیں بانکا جمیل کر دیجے

سطحِ زمین پہ رہنے کو جی نہیں کرتا
مرے وجود کو شاہیں یا چیل کر دیجے

سنا ہے آپ بڑے صاحبِ کرامت ہیں
میں ایک قطرۂ آبی ہوں نیل کر دیجے

میں ایک ہیرا ہوں لیکن ہوں ناتراشیدہ
تراشئے مجھے ایسے تکمیل کر دیجے

جمالیات کے شاعر ہیں آپ تو افضالؔ
مرے سخن کو بھی حرفِ جمیل کر دیجے!

پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال/ مالیر کوٹلوی

---

ہوا کے سامنے روشن دیا ہے
مقابل کا بھی دم خم دیکھنا ہے

پر پرواز ہے آندھی کی زد میں
کمالِ حوصلہ کا معرکہ ہے

اگر آغاز ہو تدبیرِ احسن
تو خیرِ کل یقیناً انتہا ہے

شجر کی یہ ثمرداری تو دیکھو
گھنیری چھاؤں میں میلہ لگا ہے

ہوائے نفس کی اونچی اُڑانیں
جفا کیشی کا لاحق عارضہ ہے

نظر ایسی لگی ہے سرخوشی کو
ہماری جلوت و خلوت خفا ہے

# متفرق شاعری

عطائے مدعا شکل غزل میں
ریاضِ صدق کا حاصل ہوا ہے
سیّد ریاض حسین زیدی/ساہیوال

ابر کوئی نہ دکھا، آنکھ میں سایہ نہ بنا
عمر کا تھوڑا سفر ہے، اسے صحرا نہ بنا
عشق کہتا ہے مجھے ڈھال کسی پیکر میں
حُسن کہتا ہے کہ کچھ میرے علاوہ نہ بنا
میں نہ کہتا تھا مجھے صورتِ دریا نہ بنا
جب بھی آئے گی، فقط گرم ہوا آئے گی
یاد کی سمت جو کُھلتا ہو، دریچہ نہ بنا
زندگی! خود سے نہ بیزار کہیں ہو جاؤں
زندگی! مجھ کو اب اتنا بھی تماشا نہ بنا
ہاتھ بھی، آنکھ بھی، لے جاتے ہیں تکمیل کے بعد
زندہ رہنا ہے تو تصویر کو پورا نہ بنا
عکس کیا دیکھنا اب یاد پرانی کا کوئی
گرد آئینے کو کچھ اور بھی دھندلا نہ بنا
اب کوئی اور اُفق اور فلک اور جہاں
جس کو چھوڑا ہے، پھر اس خاک سے رشتہ نہ بنا
عشق کا سارا سفر ایک سمندر طاہرؔ
بادباں کھول، نیا خواب جزیرہ نہ بنا
قیوم طاہر/راولپنڈی

رستے جو نکلتے تھے وہ تاخیر سے نکلے
جب ٹوٹ چکے پاؤں تو زنجیر سے نکلے
کیا باغ جو آباد کیے خواب میں اپنے
کیا دشت رواں، خواب کی تعبیر سے نکلے
کچھ بول تھے ایسے جو فقط میں نے سنے تھے
کچھ رنگ جو میرے لیے تصویر سے نکلے
مشعل بھی کوئی اب تو دلاسہ نہیں دیتی
یہ قافلہ کیا جادۂ شب گیر سے نکلے
بس اتنا کہ یہ آنکھ کسیلی ہو ذرا سی
بس اتنا دھواں شعر کی تاثیر سے نکلے
یہ بارہ دری جیسی غزل اُس کی عطا ہے
ہم لوگ کہاں بارگہِ میرؔ سے نکلے
قیوم طاہر/راولپنڈی

سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ زباں پھیر رہے ہیں
صحرا یہ سمندر میں بڑی دیر رہے ہیں
جس طرح سے تم ہم پہ ابھی بھاری پڑے ہو
ایسے ہی کبھی ہم بھی سوا سیر رہے ہیں
مٹی میں ہوئے مٹی تو کیا فرق پڑے گا
پہلے بھی اسی مٹی پہ ہم ڈھیر رہے ہیں
باہر ہیں کھڑے گھات میں دشمن کے سپاہی
اندر یہ مرے اپنے مجھے گھیر رہے ہیں
ایسے ہی بدل سکتا ہے طاقت کا توازن
جیسے یہ زبردست کبھی زیر رہے ہیں
مسعود احمد/اوکاڑہ

خواب ٹوٹا، خواب کی تعبیر باقی رہ گئی
میرے کمرے میں تری تصویر باقی رہ گئی
دو مسافر اپنے اپنے راستوں کو ہو لیے
پیڑ پر لکھی ہوئی، تحریر باقی رہ گئی
وقت نے جو کچھ دیا تھا، مجھ سے واپس لے لیا
میرے ہاتھوں میں مری تقدیر باقی رہ گئی
عمر ساری گھر کو گھر کرنے میں ہم نے جھونک دی
پھر بھی دل میں حسرتِ تعمیر باقی رہ گئی
دشمنوں کو پھول تو بھجوا دیے ہم نے مگر
دوستوں کے ہاتھ میں شمشیر باقی رہ گئی
وقت نے سب کچھ بدل کے رکھ دیا زاہدؔ مگر
صرف ماں کے پیار کی تاثیر باقی رہ گئی
زاہد سعید زاہد/لاہور

زندگی میں کچھ ایسے عمل ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
جتنے عقدے بھی تھے سارے حل ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
میرے ہاتھوں میں پرچم جو تھا پیار کا، جانے کب گر گیا
دونوں بازو مرے کیسے شل ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
ہم کو پسپائی کے خوف نے اس طرح سے سنبھالا دیا
سب ارادے ہمارے اٹل ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
زندگی کی مسافت کو نکلے، تو کب آ سکے لوٹ کر
کتنے گھر یونہی رزقِ اجل ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
میں نے یونہی کہا دیکھنا ایک دن ہم بچھڑ جائیں گے
جھیل آنکھوں میں آنسو کنول ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
پہلے آنکھوں کو ان کی ادائے مجسم نے رنگیں کیا
اور پھر وہ سراپا غزل ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
زاہد سعید زاہد/لاہور

Human Cloning

آنکھیں نہ بنانا

# متفرق شاعری

مرا چہرہ نہ بنانا
مجھ جیسا کوئی مرے مقابل نہ بنانا
احساس کو زنجیر نہ کر پاؤ گے دیکھو!
آواز کو تصویر نہ کر پاؤ گے دیکھو!
انسان کو تسخیر نہ کر پاؤ گے دیکھو!
صورت گر انساں، کبھی انساں نہ بنانا
آنکھیں نہ بنانا
مرا چہرہ نہ بنانا

فرحت زاہد/لاہور

## Sciatica

درد کی یہ پروائی
کس طرف کو لے آئی
روز زندگی کا ہم
انتظار کرتے ہیں
روز زندگی ہم سے
دور بھاگ جاتی ہے

فرحت زاہد/لاہور

ہر ایک گام پہ خود کو بھی کمال دیے
جو دوسرے بھی مرے دل میں تھے نکال دیے
یہ شہر سارا قدامت پسند تھا پہلے
یہ آج میں نے سبھی کو نئے خیال دیے
یہ بجھ گئے تو کہیں راستے نہ کھو جائیں
ہوا کے سامنے دامن تلے سنبھال "دیے"

اسی لیے تو ہزیمت اُٹھائی ہے ان میں
مری سپاہ نے ہتھیار آ کے ڈال دیے
اسی نے مجھ کو دیے ہیں یہ رنج و غم میں نے
جسے ہیں عہد جوانی کے ماہ و سال دیے
اُسے پتا تھا تعاقب میں ہے کوئی امشب
اسی لیے نہ جلائے شب وصال دیے
مجھے ہے فخر زمانے میں اس لیے بھی اسدؔ
مرے خدا نے مجھے دوست بے مثال دیے

اسد اعوان/جھنگ

بارش کی طرح کھُل کے برستی رہیں آنکھیں
اک یاد کے انگار سے جلتی رہیں آنکھیں
دنیا کی طرح وہ بھی مرا درد نہ جانا
چپ چاپ خلاؤں میں ہی تکتی رہیں آنکھیں
موسم کے بدلنے سے بدلتے رہے منظر
اک وصل کے منظر کو ترستی رہی آنکھیں
کچھ اپنی انا کے بھی تقاضے تھے انوکھے
کچھ وقت کی فطرت بھی بدلتی رہیں آنکھیں
وہ سامنے آ کے بھی بہت دور تھا مجھ سے
حیرت کو وہ حیرت تھی کہ ملتی رہیں آنکھیں
گلفامؔ مرے دل کا ہے مہمان ازل سے
وہ جس کی محبت سے مکرتی رہیں آنکھیں

گلفام نقوی/فیصل آباد

وقت پر منحصر ہے اب کے ملاقات میں
بات ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی
کھیل میں برابر کے امکانات ہوتے ہیں
مات ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی
دیکھیے ذرا چل کے درمیان میں حائل
ذات ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی
ابھی تو ہجر کاٹئے وصل کی نصیب میں
رات ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی
آج تک تو ساتھ ہے زندگی مگر یہ کل
سات ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی

نیازت علی نیاز/مانسہرہ

یہ جیون کے دن چار
ہے دُنیا رنگ بہار
ہاں کشتی رہ گئی بیچ
اور دریا اُترا پار
جب بھول گیا محبوب
پھر کیسے قول قرار
جو دشمن ٹھہرے آج
تھے میرے جان نثار
اب سر کی خیر منا
ہاں بھول جا وہ دستار
پھر وہ ہی یاد کرے
اور کونجوں کی وہ ڈار
دی مجھ کو عشق سزا
اور کھول دیے اسرار
اک مانجھی پوچھ رہا
اب کہاں گیا منجدھار

# متفرق شاعری

ہوں آج رعایا میں
نہ سلطاں نہ دربار

سلطان کھاروی/لاہور

---

نہ کسی خواب نہ تعبیر کی شنوائی تھی
قیس جب دشت میں آیا تھا تو تنہائی تھی
چُپ کی دیوار تھی میں جس کو سناتا تھا غزل
نہ کوئی حرفِ ملامت نہ پذیرائی تھی
آج تو گاؤں کے کوچے بھی مہک اُٹھے تھے
وہ پری زاد، وہ مریم مرے گھر آئی تھی
اپنے سب درد حسنؔ بھول گیا تھا میں بھی
پیڑ کے سائے میں دریا کی سی گہرائی تھی

حسن جمیل/واہ کینٹ

---

پڑ گئی پھر کوئی مصیبت کیا؟
بڑھ گئی اور دل کی شدت کیا؟
اب مجھے یاد کچھ نہیں رہتا
ہو گئی ہے مجھے محبت کیا؟
یہ جہاں آئینہ کھڑا ہوا ہے
پہلے ہوتی تھی کوئی صورت کیا؟
یہ جو میں ہوش میں نہیں رہتا
ہو گئی ہے جنوں کی حالت کیا
خواب میں روز دشت آتا ہے
پھر چکانی پڑے گی قیمت کیا؟
یہ جو چکرانے لگ گیا ہوں میں
دے گئی ہے جواب ہمت کیا؟
دے رہے ہو دُعائے عمر دراز
بڑھ گئی ہے سزا کی مدت کیا؟
نرم لہجے میں بات کرتے ہو
پڑ گئی ہے مری ضرورت کیا؟
اس زمانے گئے زمانے میں
کوئیء دکھلائے گا کرامت کیا؟
گھومتا ہے عدو دھڑلے سے
مر گئی ہے تمہاری غیرت کیا؟
نفسہ نفسی ہے خاندانوں میں
مر گئی پچھلی اب روایت کیا؟
یاد رکھی ہے یا بھلا دی ہے؟
بھوج راجا کی وہ کہاوت کیا
جھیل خالی پڑی ہے مدت سے
کر گئے ہیں پرند ہجرت کیا؟
تو نے قبضہ جما لیا ہے یہاں
ہے ترے باپ کی حکومت کیا؟
غنچہ جاں چیخ رہا ہے میاں
موت کرنے لگی شرارت کیا؟

راؤ وحید اسدؔ/ملتان

---

ماضی سے روز اپنے گزرتا ہوں رات بھر
خوابوں میں رنگ اپنے میں بھرتا ہوں رات بھر
اے چاند تجھ کو دیکھ کے آتا ہے کوئی یاد
میں بھی کسی کے ہجر میں جلتا ہوں رات بھر
یوں راز کھول دیتی ہے بستر کی ہر شکن
بے چین کروٹیں جو بدلتا ہوں رات بھر
اے صبح دل کا حال میرے آنسوؤں سے پوچھ
شمع کی طرح میں بھی پگھلتا ہوں رات بھر
دل کو کسی بھی طور جو آتا نہیں قرار
بے چین ہو کے شعر میں لکھتا ہوں رات بھر
دن بھر اُٹھائے پھرتا رہا بار نیند کا
سب پوچھتے ہیں کس لیے جاگا ہوں رات بھر
تیری گلی سے دور کبھی جا سکا نہ میں
لگتا ہے جیسے خواب میں چلتا ہوں رات بھر
جو دور جا چکا ہے کہیں مجھ کو چھوڑ کر
عثمانؔ اُس کے قرب سے مہکا ہوں رات بھر

ڈاکٹر محمد عثمان/پشاور

---

پہلے دل میں پالا دکھ
پھر اشکوں میں ڈھالا دُکھ
تیری ایک نشانی اشک
تیرا ایک حوالہ دکھ
توڑ رہا ہے پلکوں سے
اشکوں کی اک مالا دکھ
ایسے دل کو ڈستا ہے
جیسے ناگ ہو کالا دُکھ
روتے روتے ہنستا ہوں
کتنا دیکھ نرالا دکھ
اس صحرائے چاہت کا
جھیلتا ہے دل والا دکھ
جیسے ایک خزانہ ہو
ارشد خوب سنبھالا دُکھ

ارشد محمود ارشدؔ/سرگودھا

# متفرق شاعری

ارژنگ ہمارے عہد کا روشن جمیل ہے
خوش رنگ و خوش جمال ادب کی دلیل ہے
عہد قدیم و نو کا عجب، خوب انتخاب
ہر نعت و غزل خوب، چنیدہ ہے لاجواب
لکھتے ہیں اس میں خوب ادیبانِ خوش خصال
حرفوں کی کینوس پہ بناتے ہیں خدوخال
کیا خوب چلایا ہے شاعروں کا قافلہ
نے فکر رہگزر ہے نہ غم پائے آبلہ
بادِ صبائے ادب کی تمثیل ہے ارژنگ
اور تشنگانِ ادب کی تکمیل ہے ارژنگ

ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری

---

تمہارا رُوٹھنا اچھا لگے ہے
کبھی جھوٹا، کبھی سچا لگے ہے
ہمارا پیار ہے ناداں ابھی تک!
تمہارا پیار بھی کچا لگے ہے
یہ راہیں پیار کی جتنی کٹھن ہوں
ہمیں چلنا یہاں اچھا لگے ہے
ہمارے عشق کی معراج دیکھو
کہ رانجھا بھی ہمیں بچہ لگے ہے

ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری

---

ہجر کی لمبی کالی رات
آنکھوں میں ہر دم برسات
تیرے پیار میں چپکے چپکے
آخر کھا گئے ہم بھی مات

---

اس سے پہلے کس نے دیکھے
ایسے پُرآشوب حالات
دیکھو تو ہر گھر میں رکھے
کتنے عزیٰ، لات منات
اپنے دامن خار سمیٹوں
اس کی جھولی گُل اور پات
اچھے دن تھے بھول نہ جا
اماں جی اُٹھ چرخہ کات
صابر کون سمیٹے آ کر
میری کرچی کرچی ذات

محمد صدیق صابر/ننکانہ صاحب

---

آہیں ہیں کہ رُکتی نہیں نالہ نہیں جاتا
بن جائے ہتھیلی کا جو چھالا نہیں جاتا
جس دن سے محبت کا تری چمکا ہے سورج
اس دن سے میرے گھر کا اُجالا نہیں جاتا
جس شوخ کو اک بار بسا لیتے ہیں دل میں
اس شوخ کو پھر دل سے نکالا نہیں جاتا
کرنا ہے تو پھر کیجیے اقرار محبت
کام آج کا کل پر کبھی ٹالا نہیں جاتا
اک آگ سی دل میں جو سلگتی ہے شب و روز
اس آگ پہ پانی بھی تو ڈالا نہیں جاتا
وہ نام جسے عشق کی نسبت ملے اشفاق
اس نام کا تا عمر حوالہ نہیں جاتا

محمد اشفاق بیگ/ننکانہ صاحب

---

ہم سے کارِ زیستن ہوتا نہیں
زندگی سے کوئی سمجھوتہ نہیں
ایک وحشت کا سفر درپیش ہے
جس نے بھی جانا ہو وہ سوتا نہیں
خون کے رشتوں کے ایسے داغ ہیں
کوئی آنسو بھی جنہیں دھوتا نہیں
کوئی کوئی پھول اچھی بات کا
سوچ کی فصلوں میں کیوں بوتا نہیں
زیست کا صحرا ہے اور قحطِ جنوں
دل بھی بادل کی طرح روتا نہیں
ہم نے لاکھوں غم اُجالے ہیں رؤف
شوق اپنا بھی تو اکلوتا نہیں

عبدالروف شاہ/ننکانہ صاحب

---

یوں خوف کی فضا میں ہے آباد زندگی
اچھی ہے اس سے خانماں برباد زندگی
گلیوں میں رقص کرتی ہوئی موت جابجا
وحشت کے مارے کانپتی ناشاد زندگی
دامن میں اپنے درد کی دولت لیے ہوئے
ہے بس نگاہِ یار کی ایجاد زندگی
فہم و شعور سے نہ تعلق کوئی رہا
اک شخص نے گزار لی آزاد زندگی
اب ہو سکے تو ذوقِ مسیحائی لے کے آ
بکھری پڑی ہے راہ میں بے داد زندگی
آنکھوں میں اشک شدتِ غم سے چھلک پڑے
عرفان کہہ سکا نہیں روداد زندگی

عرفان اللہ عرفان/ظفروال

# متفرق شاعری

دیکھتا ہوں کیسا منظر دیدۂ حیراں کے ساتھ
آج زاہد پی رہا ہے مجلس رنداں کے ساتھ
ہم سفر کرنے سے ڈرتا ہوں خوشی کے پل کو میں
چل نہ پاؤں گا کسی بھی اجنبی مہماں کے ساتھ
بیگناہی جانتے تھے تم سر مقتل مری
تم بچا سکتے تھے مجھ کو اک ذرا سی ہاں کے ساتھ
میں وہ شجر بے اجل ہوں جس کی ہر اک شاخ سے
پھوٹتا ہے غم کا غنچہ اک نئے عنواں کے ساتھ
تلخیاں، بے چارگی اور بے بسی اور رتجگے
دفن کرنا مجھ کو میرے سارے ہی ساماں کے ساتھ
دامن افکار چھلنی کر دیے آلام نے
کیسے کیسے ظلم گزرے اس دلِ ناداں کے ساتھ
آشنا ہے ہر ستم عاکف مرے احوال سے
مجھ کو جینا آ گیا ہے تلخیٔ دوراں کے ساتھ

عاکف عثمان عاکف/اوکاڑہ

لوگ جھوٹے ہیں گرفتار بلا پہلے سے تھا
سچ تو یہ ہے دل ہمارا لاڈلا پہلے سے تھا
یہ غلط ہے کہ ابھی نے دی اُسے پہلے صدا
وہ ہمارے شہر کی جانب بڑھا پہلے سے تھا
وہ تو اب جا کر ہوا بند پس پیش وفا
اور ہمیں درپیش ایسا مرحلہ پہلے سے تھا
عذر سے پہلے ہی اس کی برہمی کو جان کر
یہ کھلا مجھ پر کہ وہ صاحب خفا پہلے سے تھا
انور اتنی منتیں کرتے ہمیں دیکھا نہ تھا
اس کی چھوڑو وہ تو ظالم باخدا پہلے سے تھا

انوار الحق

چڑھتے سورج ڈھلتے دیکھے
موسم رنگ بدلتے دیکھے
لوگ وفائیں بیچ رہے تھے
ہم نے چلتے چلتے دیکھے
رات عجب اک خواب سا دیکھا
گھر برسات میں جلتے دیکھے
جن کو ہم نے دودھ پلایا
وہی زہر اُگلتے دیکھے
کس کو اپنا سمجھیں شاہد
سب کے روپ بدلتے دیکھے

شاہد عباسی/لاہور

ہو کاش ایسے اچانک تو روبرو آئے
ہم انتظار میں ہوں، سامنے سے تو آئے
سنبھال لے مجھے اپنی مہک کے ہالے میں
وہ ابر بن کے میری جاں کے چار سو آئے
یہ حبس ختم ہو، جو جان میں ہے پھیلا ہوا
ہوائے قرب چلے، موسم نمو آئے
ملے بہار کی تعبیر میری نیندوں کو
کبھی جو خواب میں میرے وہ ماہ رو آئے
مہک اُٹھے میرا ہر زاویہ خیالوں کا
کبھی کی ٹھہری ہوئی زیست میں لہو آئے
خیال اُس کا ہو، روشانے میرے شعروں میں
ہنر میں تازگی، لفظوں میں آبرو آئے

روشانے سبعین/لاہور

ہر اک نشیب جہاں میں بلند اُس سے ہوں
وہ میرے ساتھ ہے میں سربلند اُس سے ہوں
خیال اُس کا ہے جس نے مجھے کیا ہے نڈھال
وہ میرا درد ہے میں دردمند اُس سے ہوں
بھٹکتی پھرتی ہیں سوچیں کہاں کہاں اے دوست
کس انتشار کے گنبد میں بند اُس سے ہوں
یہی خیال میرے اعتبار کا ہے سبب
وہ میرا دوست ہے میں ارجمند اُس سے ہوں
یہ ماہ و مہر ہیں روشانے دسترس میں مری
اُفق اُفق پہ مثال کمند اُس سے ہوں

روشانے سبعین/لاہور

ہوں گے آساں اُسے زوال کے دن
جو گزارے گا دیکھ بھال کے دن
روز ملتے تھے بات کرتے تھے
وصل کے دن بھی تھے کمال کے دن
اُتنے دن تجھ کو یاد کرتا ہوں
جتنے ہوتے ہیں ماہ و سال کے دن
ظلم تیرا نہ جب سہا میں نے
کوئی ایسا دکھا نکال کے دن
رات آتی ہے حکم سے جس کے
بھیجتا ہے وہی اُجال کے دن
جانے والے بھی لوٹ آئیں گے
بیت جائیں گے جب ملال کے دن
کون کافر بھلائے گا شاہد
قربت حُسن بے مثال کے دن

ہمایوں پرویز شاہد/لاہور

طاق نسیاں پر محبت کی کڑی رہ جائے گی
یاد کے جزدان پہ مٹی پڑی رہ جائے گی
بھولتے لمحوں میں منظر دیدہ کو ڈس جائیں گے
چاہتوں کی فصل آنکھوں میں کھڑی رہ جائے گی
وہ طلب کی بھیڑ میں خود ہی کہیں کھو جائے گا
پھر کوئی احساس میں خواہش گڑی رہ جائے گی
جب خزاں ہوگی تعلق کے بدن پہ سایہ ریز
تب وفا کی آس وعدوں میں جڑی رہ جائے گی
حادثات دہر کے دریا میں گھر کر دیکھئے
کیا کنارے سوچ کے اک جھونپڑی رہ جائے گی
چھین بھی لے گر زمانہ ذہن سے یادِ حسینؑ
پھر فراتِ خوں میں کوئی پنکھڑی رہ جائے گی
پایۂ تکمیل کو پہنچے کوئی سعی بلیغ
عمر گھٹتی جائے گی خواہش بڑی رہ جائے گی
وہ بچھڑتے وقت کر لے ضبط جتنا بھی علی
ساتھ اپنے تلخ تر اک یہ گھڑی رہ جائے گی

علی اختر

جب یہ انسان بھی غاروں میں رہا کرتے تھے
درد اک دوسرے کا بانٹ لیا کرتے تھے
آج جن راہوں میں بہتا ہے غریبوں کا لہو
انہی راہوں پہ کبھی پھول کھلا کرتے تھے
اب تو ہم شہر میں ملتے ہیں کھلے عام مگر
گاؤں کے کھیتوں میں ہم چھپ کے ملا کرتے تھے
کھو گئے شور میں اب وہ بھی مشینوں کی یہاں
دل کی دھڑکن کی جو آواز سنا کرتے تھے
اپنی تہذیب کے آداب کا رکھتے تھے خیال
عشق کی آگ میں چپ چاپ جلا کرتے تھے

یوں پلٹ کر نہیں دیتے تھے بزرگوں کو جواب
بے سبب بھی وہ اگر ڈانٹ دیا کرتے تھے
آج ملتے ہی نہیں ہیں جو یہاں آپس میں
ایک ہی گھر میں کبھی مل کے رہا کرتے تھے
یہ وڈیرے یہ لٹیرے ہوں کہ فوجی آمر
یہ تو ہر دور میں ایسے ہی ہوا کرتے تھے
اب تو بس زہر اُگلتا ہے فقط تو عارفؔ
تیری باتوں سے کبھی پھول جھڑا کرتے تھے

عارف شفیق

جینے کی خواہش میں ہی مر جاتے ہیں
ایک کہانی ہے جو سب دہراتے ہیں
شاید گہری نیند میں سونے والا ہوں
آنکھوں میں کچھ سائے سے گہراتے ہیں
اکثر سب کو رستہ دینے والے لوگ
میری طرح سے خود پیچھے رہ جاتے ہیں
چاہے بدن ہو اس کا سونے چاندی سا
مٹی کو مٹی میں ہی دفناتے ہیں
زندہ رہنے کی اک اندھی خواہش میں
اپنی قبروں پر کتبے لکھواتے ہیں
اک کوئل کی لاش پڑی ہے جنگل میں
محل سرا میں کوے شور مچاتے ہیں
لہو میں اندھی خواہش نے سرگوشی کی
سبز بدن پر کانٹے اُگتے جاتے ہیں
کب دیکھے ہیں ہم نے سو کر جھوٹے خواب
ہم کو ہمارے سچے خواب جگاتے ہیں
بے سمتی کی دھوپ میں اندھے رستوں پر
سر کو جھکائے عارفؔ چلتے جاتے ہیں

عارف شفیق

اک چاند کا چھلکا بادل پر رخسار تمہارے جیسا تھا
کچھ نقطہ ہجر کے پاس میں تھا، کچھ وصل کا خالی نقشہ تھا
اک لہجہ ساز ستاروں کا اک چہرہ نور کے دھاگوں سا
کچھ عریاں جسم محبت میں، کچھ عشق میں جلتا تکیہ تھا
کچھ لعل جڑے تھے سانسوں پر، کچھ روشنی خاک میں لپٹی تھی
میں آگ شجر پر شاخ ہوا، میں خواب میں اس کا سایہ تھا
مجھے قسمت والی پڑیا میں کچھ ناگ ملے ہیں حسرت کے
تو سوچ نگر کی گلیوں سے اُمید کنارے نکلا تھا
جس ٹین میں تیرا درشن ہو جس شہر میں تیرا ہونا ہو
پریوں کا آنا جانا رہے، پانی کا غلاف پہ لکھتا تھا

احمد علی کیف/لاہور

جب بھی اس پر زوال آتا ہے
اس کو میرا خیال آتا ہے
میری خاطر جواریوں کی طرح
نت نئی لے کے چال آتا ہے
دوست دلدل میں پھینک دیتے ہیں
اور دشمن نکال آتا ہے
جو تسلی بھی دے نہیں سکتا
پوچھنے کیوں وہ حال آتا ہے
کون پیتا ہے خوں غریبوں کا؟
میرے لب پر سوال آتا ہے
رُوٹھ جاتا ہے کیوں دسمبر میں
پیار پر جب کمال آتا ہے
رزق تھوڑا سہی مگر قیصر
جو بھی آئے حلال آتا ہے

قیصر عمران خان مگسی/کبیروالہ

# کربلا کا دُلہا (آزاد نظم)

جو خیموں کو جلا کر راکھ کر دے گی
جسے بے نام رہنا ہے
مگر وہ آگ کیسی تھی
وہ کیسی آگ تھی جس نے کبھی منظر وفا والے
حیا والے جلا ڈالے، مگر کرب و بلا کا
ایک منظر وہ جسے ہر آنکھ نے دیکھا
وہ کیسے کربلا کی شام نے دیکھا
لہو میں زندگی دیکھی گئی ہے، ہاں!
لہو میں روشنی دیکھی گئی ہے!
بس اسی کربل کے صحرا میں مجھے بھی
راکھ میں لپٹے ہوئے خیمے نظر آئیں
چلو جا کر دکھوں کی شام کو دیکھو
جسے بے آبرو ہو کر ہزاروں سال جینا ہے
وہی آنسو جو آنکھوں سے گریں گے ہاں
وہی آنسو، محبت کی علامت ہیں
چلے آؤ محبت کی ادا لے کر
کسی نے شام سے پہلے پکارا ہے
وہ جا کر کربلا کی شام سے کہہ دے
مری آنکھوں نے رونا ہے
وہی آنسو ترے غم میں بہیں گے جو
سمندر پی کے روئے گا
سمندر جی کے روئے گا
لہو روتی محبت کی کہانی کو مکمل کر کے لکھے گا
شہادت کی کہانی کو

مجھے دو چار لمحوں میں وہاں جا کر
اُسی ویران مقتل کو
بہت ہی پیار جذبوں سے بجانا ہے
تو حرفوں میں تو لفظوں میں ستم کی داستاں لکھ دے
کہانی کربلا کی ہے، یہاں لکھ دے وہاں لکھ دے
مگر پھر شام سے پہلے ہزاروں کے مقابل میں
وہ اک لشکر بہتر کا چلا آیا
مگر لشکر یزیدوں کا جسے برباد ہونا تھا
حسینی قافلہ آ کر وہاں آباد ہونا تھا
ابھی حر کی شہادت بھی رقم کرنی پڑے گی ہاں
ابھی قاسم کی مہندی بھی سجانی ہے
ابھی تو سامنے اکبر کے لاشے کی کہانی ہے
ابھی چھلنی کیا جائے گا مشکیزہ
ابھی عباس کے بازو کٹیں گے دیکھ لینا تم!
ابھی معصوم اصغر کے گلے پر تیر چلنا ہے
مگر جس نے کفِ افسوس ملنا ہے
یزیدی قافلہ ہو گا ابھی نیزے پہ دیکھو تم
حسینؑ ابن علیؑ کا سر اُٹھایا جائے گا یعنی!
شہیدوں کا اسے دلہا بنایا جائے گا
پھر بھی وہی کربل میں جیتے گا
وہ تیرا ہے، وہ میرا ہے
حسینؑ ابن علیؑ ہے وہ
بڑے ہی نام والا ہے زمانے کا ولی ہے وہ
چلو جا کر شہیدوں کے اُسی دلہے
اسی اک جیتنے والے کو آج اپنی طرف سے
پھر مبارک باد دیتے ہیں

مگر پھر بھی مجھے کہنا ہے اتنا کہ
بڑی ہی بے وفا کربل کی مٹی ہے
بڑی ہی پُر ریا کربل کی مٹی ہے
محل کے لاڈلے بیٹے کو جھک جھک کر
سلامی دینے والوں کو
مجھے کہنا پڑے گا اب
کسی کی آنکھ میں آنسو نہ رہ جائے
اگر آنکھوں نے رونا ہے
مگر آنکھیں تو روئیں گی
مگر آنکھوں کا رونا کون دیکھے گا
اگر آنکھوں نے رونا ہے
اُسے صبر و رضا کا تاج پہنا دو
اُسے ہی تاجور کہنا پڑے گا ہاں،
وہی ہے تاجور جس کو نبی کی آنکھ نے دیکھا
نبی کی آنکھ نے چوما
ترے املاک نے اپنے قلم سے کہہ دیا ہے بس!
کہانی کربلا کی شام کی لکھ دے
حسینؑ ابن علیؑ کے نام لکھ دے
مرے اعصاب کی شکنوں پہ مت جانا
مدینے کا مسافر ہوں ارے لوگو! مدینے کی
گلی مانگی مدینے کی گلی آئی
شہادت مانگنے نکلا، شہادت بھی چلی آئی
شہادت جس نے بھی مانگی
شہادت جھومتی آئی!!

املاک احمد جدران/اوکاڑا

# متفرق نثری نظمیں

## نظم

میری آنکھیں
سینت کے رکھو
چپ کی گولی کھانے سے
اندر قے ہو جاتی ہے
اندر
باہر
سرخ سویرے بن جاتے ہیں
میری آنکھیں
کھول کے رکھو
اندر والی کھڑکی پہ
آنے والی رُت کا
سرخ اشارہ جلتا ہے
میری آنکھیں
رول کے دیکھو
ان دیدوں میں
دیدوں جیسا سپنا ہے
ان سپنوں کی سانسوں پہ
روز سویرا روتا ہے
ان آنکھوں کے اندر
اب تک
چپ کا دھڑکا بیٹھا ہے

سلیم شہزاد/ بہاولنگر

## ماں اکثر کہتی ہے...

ماں اکثر کہتی ہے...
"آدھی رات تک
پڑھتی لکھتی رہتی ہو
آنکھیں پتھر ہو جاتی ہیں
پھر کہتی ہو نیند نہیں آتی..."

اوہ میری بھولی ماں!
کاش! کبھی تم نے میری آنکھوں میں
پتھر ہوئے سپنے دیکھے ہوتے
تو پھر میرے راتوں کو جاگنے کا سبب جان جاتی

کبھی چاندنی رات میں دیکھنا
میری آنکھوں میں سپنے نہیں، پتھر تیرتے ہیں
گونگے، بہرے ڈھیروں پتھر....
میز پر کانچ کے گلدان میں
جتنے چھوٹے چھوٹے اُداس پتھر ہیں
سب میرے سپنے ہیں....
اوہ میری بھولی ماں!

تن دیپ تمنا/ کینیڈا

## قریب المرگ

میری سانسوں سے بختی جا رہی ہے
اب تک
شب رفتہ بھی مجھ پر

کچھ
بھاری رہی ہے
اک
پژمردگی سی
جسے
طاری رہی ہے
اب
دھڑکن سے دل کی بھی
عاری ہوا ہوں
مرنے سے پہلے
گویا کچھ کاری ہوا ہوں
تمنا
ہے تم سے اے میری سانسو
سبھی سی سانسو
کچھ دیر ٹھہرو
کچھ اور اُلجھو
وہ آئے جو اک پل
تو
تم چلے جانا

احمد عدنان طارق/ فیصل آباد

## رنگ

قوس قزح کے رنگ کئی ہیں
نیلا بھی

# متفرق نثری نظمیں

نارنجی بھی
جیسے
تیرا چپکے رہنا
پھر
تیری بذلہ سنجی بھی
دور ہرا بھی دِکھتا ہے
جیسے
تیرے جسم کا بھرنا ہو
پیلا اور گلابی ہے
مکھ تیرے پر حزن ہو جیسے
یا موڈ تیرے کی
شادابی!!
قوسِ قزح
پر دور بہت ہے
رنگ تو میں نے دیکھے ہیں
یہ
برکھا رت کے بعد ہوا ہے
کیا
سارے رنگ یہ اُجلے ہیں
یا ان میں سے
کچھ
دُھندلے ہیں
احمد عدنان طارق/فیصل آباد

## بچپن کا دریچہ

میرے بچپن کا در یچہ
میری یادوں میں
جھانکتا ہے اور کہتا ہے
میرے پٹ کیوں بند کر ڈالے
گرفتار سپاہی کیوں کیا مجھ کو
کیوں بھلا ڈالا وہ چہرہ جو
تیری تگ ودو کا محور تھا
اور میری زندگی
معمور تھی جس سے
وہی چہرہ کہ جس کی پیشانی پہ
کاکل کنگورے بناتے تھے
اسم اعظم اللہ
تیری پیشانی میں وہ سجدے جگاتا تھا
تیرے طوافوں سے ہی مجھ پر
میری زندگی کا رمز کھلتا
میں اب کھوئی ہوئی ہوں
اور وہ چہرہ جو تیری عبودیت کا مرکز تھا
وقت کی آندھی نے اس پر ایسی گرد ڈالی ہے
کہ اس کا جاننا مشکل پہچاننا مشکل
تو بھی کھو چکا ہے اپنی پایہ جولانی
اب ترا حاصل ہیں بس یادیں
اور میری قسمت میں اندھیرا ہے
نسیم سکینہ صدف/ڈسکہ

## ذرا ٹھہرو......!

ذرا ٹھہرو......
وہ لمحہ قریب ہے
ہوا نے ابھی سمت بدلنی ہے
ذرا ٹھہرو......!
بہار اپنی بہاروں کا بستر باندھے
گلابوں کی لالی اور......
چنبیلی کی بھینی بھینی خوشبو چرائے
الوداع کہنے والا ہے......
ذرا ٹھہرو......
وہ آنے والا ہے

جو میرے جیسا ہے
بچھڑ جانے کا موسم
مرا ہمدم......خزاں کا موسم
ذرا ٹھہرو......
وہ لمحہ قریب ہے
ابھی سانسوں کی ڈور
ٹوٹ جانی ہے......!
شہزاد ملک/خیر پور ٹامے والی

## محبت کا کاجل

جھیل سی آنکھوں والی
گہری سی لڑکی

# متفرق نثری نظمیں

سرخ آنچل اوڑھے
شام کی اُداس دہلیز پر
آنکھ میں محبت کا کاجل سجائے
ہاتھوں میں حنا کے رنگ بسائے
انتظار میں تھی
شاید
اپنے پیا کے
مگر کیا ہوا اُسے اچانک
اگلے ہی لمحے
کاجل بھیگ گیا
اور
اس کی جھیل سی آنکھوں سے
برستا ساون
خوبصورت ہاتھوں پر سجا
حنا کا ہر رنگ دھو گیا

سحرش منیر/ٹوبہ ٹیک سنگھ

## پاگل سی لڑکی

پل پل سسکتی رات
بکھری آرزوؤں کے سنگ
ریزہ ریزہ خواب لیے
اک پاگل سی لڑکی
چپ چاپ
خاموشی کی دہلیز پہ بیٹھی
گواہ بنائے چاند کو
اسے یاد کرتی ہے

سحرش منیر/ٹوبہ ٹیک سنگھ

## کاش

کاش ساتھ ہوتے
کاش تم میرے ساتھ ہوتے
دکھوں کے ہر موڑ پہ تم
میرا ساتھ دیتے
ہر منزل پر راستہ ہو جاتا آسان
کاش تم میرے ساتھ ہوتے
جینے کے لیے ساتھ تمہارا ہوتا
جینے کے لیے تمہارا سہارا ہوتا
کاش تم میرے..........
کاش تم بھی میری محبت کو محسوس کرتے

اور میری محبت کا بھی دم بھرتے
کاش تم..........
آنکھوں ہی آنکھوں میں حال دل بیان کرتے
ہم اپنی زباں کو بے زبان کرتے
کاش تم..........
تمہارے بغیر یہ زندگی
یہ زندگی نہیں
محبت کی بھی بندگی نہیں
محبت کی بندگی میں
تیرے لیے دعا کرتے
کاش تم..........

شہروز غلام حسین/لاہور

## آزاد نظم

زمیں برسوں کی پیاسی
جو سے کی دھوپ سے چٹخی
درازوں سے عجیب حشرات نکلے
اور زمیں کی خشک مٹی گدگداتے
رینگتے پھرنے لگے
ذرا سا دور
خودرو جھاڑیوں کے جھنڈ سے دو سائے نکلے
دو مخالف راستوں پر چل دیے

نیازت علی نیاز

## سیاہ ماتمی لباس

تیرے ہجر میں پہن کر ہم
تیرے غم سے
وفاداری کریں گے
ادھورے خواب کو برچھی بنا کر
محبت کی عزاداری کریں گے

وسیم عباس/لاہور


امریکہ میں مقیم معروف شاعرہ
سعید حمید کا پہلا شعری مجموعہ
"رج کے مٹھی"
مکمل اہتمام کے ساتھ شائع ہو گیا ہے
صفحات: 152 / قیمت: 200روپے
ناشر: نستعلیق مطبوعات
غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

# سلطان سکون

میں تو شاعر ہوں تن آسان بھی ہو جاتا ہوں
کسی مشکل میں پریشان بھی ہو جاتا ہوں

---

میں تو شاعر ہوں تن آسان بھی ہو جاتا ہوں
کسی مشکل میں پریشان بھی ہو جاتا ہوں
ہو تو جاتا ہوں کسی بات پہ برہم لیکن
پھر بہت جلد پشیمان بھی ہو جاتا ہوں
گو کہ مشکل ہی بنا رہتا ہوں خود اپنے لیے
صرف تیرے لیے آسان بھی ہو جاتا ہوں
میں تصور میں کبھی جا کے شبستاں میں ترے
بن بلایا ہوا مہمان بھی ہو جاتا ہے
کرنے لگتے ہیں دل و ذہن مرے سائیں سائیں
یوں تری یاد میں سنسان بھی ہو جاتا ہوں
کسی محفل میں محبت کا بھرم رکھنے کو
تجھ سے میں جان کے انجان بھی ہو جاتا ہوں
میں کسی سے بھی تعلق نہیں رکھتا رہی
میں تو سو جان سے قربان بھی ہو جاتا ہوں
یاد آ جاتی ہے جب بھی کوئی لغزش اپنی
خود سے میں دست و گریبان بھی ہو جاتا ہوں
جھیلیں، جھرنے وہی جنگل وہی قینچی کی صدا
اپنے اندر کبھی کاغان بھی ہو جاتا ہوں
زیست کرتا ہوں بسر یوں تو فقیرانہ سکونؔ
ایک دن کا کبھی سلطان بھی ہو جاتا ہوں

---

یقین آ گیا لیکن گمان باقی ہے
کہ زخم بھر تو گیا ہے نشان باقی ہے

ابھی کرو نہ روانہ نئے سفر پہ ہمیں
ابھی تو پچھلے سفر کی تکان باقی ہے
ابھی سے بیٹھ گئے فکر بال و پر لے کر
ابھی اک اور سفر کی اُڑان باقی ہے
پہنچ رہے ہیں ابھی تک دُکھوں کے نذرانے
ابھی ہمارا کوئی مہربان باقی ہے
یہ میری طبع قدامت پسند ہے اتنی
کہ شہر میں مرا کچا مکان باقی ہے
سکونؔ آج کے اس دورِ اضطراب میں بھی
ہمارے دل ہی میں جائے امان باقی ہے

---

میں اس طرح نہ پھروں دربدر جو تو چاہے
ترے ہی در پہ جھکا دوں یہ سر جو تو چاہے
ترے بغیر کسی اور کو نہ میں چاہوں
میں چاہے جاؤں تجھے عمر بھر جو تو چاہے
غمِ جہاں ہو غمِ جاں ہو یا کوئی غم ہو
کرے نہ مجھ پہ کوئی غم اثر جو تو چاہے
بگڑ گیا ہوں اگر میں سنور بھی سکتا ہوں
یہ منحصر ہے ترے لطف پر جو تو چاہے
جو وقت بیت گیا لوٹ آئے ناممکن!
یہ ہو تو سکتا ہے ممکن مگر جو تو چاہے
دُعائیں کرتے ہیں ہم بھی سکونؔ تیرے لیے
ملے تجھے وہ خوشی کی خبر جو تو چاہے

---

دل کا سمندر آنکھ کا پتھر ہو جانا
اپنے دُکھوں پر مست قلندر ہو جانا
جب بھی کسی سے اپنا قصیدہ سن لینا
اور سمٹ کر ذات کے اندر ہو جانا
اس کا ملنا اور نہ ہونا کوئی سخن
لذتِ ہجر و وصال برابر ہو جانا
آج ہی اپنے دیدہ و دل کو سیر کریں
کل ہے یہ منظر بھی پس منظر ہو جانا
مہر و وفا کی ساری فصلیں بانٹ چکی
اب ہے دل دھرتی کا بنجر ہو جانا
شہر میں مان بڑھا جاتا کچھ میرا بھی
جاتے جاتے میرے بھی گھر ہو جانا
ہم نے عبث ہی خون سکونؔ کیا دل کو
ورنہ سہل تھا آنکھوں کا تر ہو جانا

---

غزل تو کیا نہ کوئی شعر بھی ہوا تازہ
اسی سے ہوگا طبیعت کا میری اندازہ
نہ اس کی آنکھ میں کاجل نہ رُخ پہ ہے غازہ
مگر ہے شہر میں پھیلا اُسی کا آوازہ
کبھی جو اس دلِ ناداں سے ہوگئی تھی خطا
بھگت رہے ہیں ابھی تک اسی کا خمیازہ
نہ کوئی آہ لبوں پر نہ آنکھ میں آنسو
کسی کو کیسے ہو میرے دُکھوں کا اندازہ

# جلیل عالی



یہ جو الفاظ کو مہکار بنایا ہوا ہے
ایک گل کا یہ سب اسرار بنایا ہوا ہے

سوچ کو سُوجھ کہاں ہے کہ جو کچھ کہہ پائے
دل نے کیا کیا پسِ دیوار بنایا ہوا ہے

پُر جاتے ہیں یہ دریائے سب و روز اکثر
باغ اک سیر کو اُس پار بنایا ہوا ہے

شوق دہلیز پہ بے تاب کھڑا ہے کب سے
درد گوندھے ہوئے ہیں ہار بنایا ہوا ہے

یہ تو اپنوں ہی کے چرکوں کی سُلگ ہے ورنہ
دل نے ہر آگ کو گلزار بنایا ہوا ہے

توڑتا ہے جو تعلق تو تذبذب کیسا
شاخِ احساس پہ کیا بار بنایا ہوا ہے

جاں کھپاتے ہیں غمِ عشق میں خوش خوش عالی
کیسی لذت کا یہ آزار بنایا ہوا ہے

رات جو موج ہوا نے گل سے دل کی بات کہی
اک اک برگِ چمن نے کیسی کیسی بات کہی

آنکھیں رنگ برنگ سجے رستوں سرشار ہوئیں
دل کی خلش نے منظر منظر ایک ہی بات کہی

ہر اظہار کی تہ میں ایک ہی معنی پنہاں تھے
اپنی طرف سے سب نے اپنی اپنی بات کہی

آج بھی حرف دبیاں کے سب پیانے حیراں ہیں
کیسے غزل نے دو سطروں میں پوری بات کہی

سیدھے سادے سے لفظوں میں کہنا مشکل تھا
اس لئے تو ایسی آڑی ترچھی بات کہی

تم کیوں اپنی مرضی کے مفہوم نکالو ہو
اتنا ہی مطلب ہے ہمارا جتنی بات کہی

تم بھی تو مضمون تراشی میں مصروف رہے
تم نے بھی تو عالی کم کم اصلی بات کہی

اک ایسی ان کہی تحریر کرنے جا رہا ہوں
ہنر کو اور بھی گمبھیر کرنے جا رہا ہوں

مرے احساس میں بے چین جس کے خال وخد ہیں
اُسے ہر آنکھ میں تصویر کرنے جا رہا ہوں

میں فرہادِ معانی تیشۂ حرف و بیاں سے
سخن کی جھیل جوئے شیر کرنے جا رہا ہوں

دلوں کے درمیاں رستوں میں کتنے خم پڑے ہیں
میں ان کو پھر سے سیدھا تیر کرنے جا رہا ہوں

وہ جس میں بے نواؤں کے لہو کی سرخیاں ہیں
کلاہِ شاہ لیرو لیر کرنے جا رہا ہوں

مجھے زنجیرتا ہے اپنے حصے کا زمانہ
سو اپنے آپ کو تسخیر کرنے جا رہا ہوں

سدا تعمیر در تعمیر جو رکھے سفر میں
میں وہ خوابِ دگر تعمیر کرنے جا رہا ہوں

مسافتیں کب گمان میں تھیں سفر سے آگے
نکل گئے اپنی دُھن میں اُس کے نگر سے آگے

شجر سے اک عمر کی رفاقت کے سلسلے ہیں
نگاہ اب دیکھتی ہے برگ و ثمر سے آگے

یہ دل شب و روز اُس کی گلیوں میں گھومتا ہے
وہ شہر جو بس رہا ہے دشتِ نظر سے آگے

خجل خیالوں کی بھیڑ حیرت سے تک رہی ہے
گزر گیا رہروِ تمنا کدھر سے آگے

طلسمِ عکس و صدا سے نکلے تو دل نے جانا
یہ حرف کچھ کہہ رہے ہیں عرضِ ہنر سے آگے

نثار اُن ساعتوں پہ صدیوں کے سحر عالی
جڑے ہیں جن کے جلو میں شام وسحر سے آگے

شاخِ بے نمو پر بھی عکسِ گل جواں رکھنا
آ گیا ہمیں عالی دل کو شادماں رکھنا

بے فلک زمینوں پر روشنی کو ترسو گے
سوچ کے دریچوں میں کوئی کہکشاں رکھنا

رہروِ تمنا کی داستاں ہے بس اتنی
صبح وشام اک دُھن میں خود کو نیم جاں رکھنا

کار و بارِ دنیا میں اہلِ درد کی دولت
سُود سب لٹا دینا پاس ہر زیاں رکھنا

اُس کی یاد میں ہم کو ربط وضبطِ گریہ سے
شب لہولہو رکھنی دن دھواں دھواں رکھنا

عشق خود سکھاتا ہے ساری حکمتیں عالی
نقدِ دل کے دینا بار سر کہاں رکھنا

ذرا سی بات پہ صیدِ غبارِ یاس ہونا
ہمیں برباد کر دے گا بہت حساس ہونا

مسلسل کوئی سرگوشی ہمکتی ہے لہو میں
میسر ہی نہیں ہوتا پہ اپنے پاس ہونا

کبھی سینوں میں تیری نوبتوں کی گونج لیکن
تری دُھن کا کسی دل کی نوائے خاص ہونا

ہماری شوق راہوں پر کبھی دیکھے گی دنیا
تمہارے پتھروں کا گوہر و الماس ہونا

اِدھر بھی تو اُسے اک دن اٹھانی ہیں نگاہیں
ہمیں بھی تو کبھی ہونے کا ہے احساس ہونا

کسی موسم تو اپنے بادبانوں پر بھی عالی
لکھیں گے آشنا جھونکے ہوا کا راس ہونا

# قاضی حبیب الرحمٰن/

ایک صورت سنوارنے کے لیے ایک سو چودہ صورتیں اُتریں

قاضی حبیب الرحمٰن ایک وسیع المطالعہ اُستاد اور صاحب طرز شاعر ہیں انھیں اُردو اور فارسی ادب پر کمال دسترس حاصل ہے۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں انھوں نے اُردو ادب کی تعلیم دے کر بہت سے باکمال شاعروں اور ادیبوں کی تہذیب کی ہے۔ گو اُن کا اثاثہ بہت سی نگارشات پر مشتمل ہے لیکن طبیعت کی بے نیازی اور نمود و نمائش سے گریز کی وجہ سے ابھی تک کھل کر منظرِ عام پر سامنے نہیں آسکے۔

خاموش مناظر کی خبر آتی ہے
کچھ روز سے آواز، نظر آتی ہے
جیسے کوئی بسری ہوئی آوارہ یاد
بے ساختہ سینے میں اُتر آتی ہے
دیکھی ہے اک ایسی بھی سلونی صورت
خلوت میں کچھ اور نکھر آتی ہے
کیا جانئے کیا درد ہے دل کے اندر
بیٹھے بیٹھے جو آنکھ بھر آتی ہے
یوں ہے کہ وہی ظلمتِ شب ہے اب تک
یوں کہنے کو ہر روز سحر آتی ہے
ہر صبح کو زندگی بھلا کر سب کچھ
ہر شام کو تھک ہار کے گھر آتی ہے
اس خوف سے سوتے نہیں بستی والے
اک ساعتِ گم، پچھلے پہر آتی ہے
اک معرکۂ کرب و بلا ہے، ہر دم
ہر سانس لہو میں ڈوب کر آتی ہے
دامن میں سموئے ہوئے صد ہا افلاک
اک موجِ خاک، روز اِدھر آتی ہے
مٹی کی مہک، ماں کی محبت کا نشہ
کچھ نیند عجب، زیرِ شجر آتی ہے
کھلتا نہیں اسرار کہ آخر ہر بار
جنگل ہی میں کیوں شامِ سفر آتی ہے
اکثر سالک یہیں خطا کھاتا ہے

منزل سے آگے، رہ گزر آتی ہے
اک عمر ابھی بے ہنری کے زینے!
تب جا کے کہیں سقفِ ہنر آتی ہے
اس خاک کے چکر سے رہائی، معلوم!
ہر روز یہ اندازِ دگر آتی ہے
ایسی بھی حبیبؔ، دور اندیشی کیا!
تہمت تو ازل سے اپنے سر آتی ہے

یہ جرم ہے کہ (کون پوچھتا مجھ کو!)
صلیبِ وقت پہ لٹکا دیا گیا مجھ کو
بس اتنا جانتا ہوں ایک زرد پتا ہوں
اُڑائے پھرتی ہے جانے کہاں ہوا مجھ کو
میں ایک عمر سے اپنے ہی اختیار میں ہوں
کرے گا کیا کوئی اس قید سے رہا مجھ کو!
خبر مجھے بھی ہے اک روز (اور وہ دور نہیں)
جلا کے راکھ ہی کر دے گی یہ اَنا مجھ کو
نگاہِ شوق، بتا کوئی صورتِ تسکیں!
حریمِ ناز، دکھا کوئی راستہ مجھ کو
ترے فراق میں یہ سانحہ بھی گزرا ہے
ترے خیال کا پرتو ہی ڈس گیا مجھ کو
میں چنتا رہتا ہوں پلکوں سے کرچیاں دن بھر
کوئی دکھاتا ہے شب بھر اک آئنہ مجھ کو
کہ جیسے میں کسی آسیب کی گرفت میں ہوں
خود اپنا آپ بھی لگتا ہے دوسرا مجھ کو

وہ مسکراتا ہوا جسم جب سے دیکھا ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا، یہ کیا ہوا مجھ کو
بہار نشہ تھی قوسِ قزح پہ رقص فشاں
پکارتا ہے ابھی تک وہ ذائقہ مجھ کو
میں برگِ ذات میں خوشبو کی طرح گم تھا حبیبؔ
ہوائے شوق نے برباد کر دیا مجھ کو

ترکِ اُلفت کا کچھ خیال بھی ہے
یہی ممکن، مگر محال بھی ہے
کیا کھلے عقدۂ حیات و ممات
ہر جواب، اک نیا سوال بھی ہے
ورنہ کیا شے، یہ گردشِ افلاک!
اس میں شامل کسی کی چال بھی ہے
کچھ مرا دل بھی ہے جنوں آثار
کچھ تری آنکھ کا کمال بھی ہے
اس میں جینے کا بھی ہزار امکان
اس میں مرنے کا احتمال بھی ہے
دل بھی ہے اندرونِ سینہ، عذاب
سر، سرِ دوش اک وبال بھی ہے
ہر نظر، صورتوں کا ایک طلسم
ہر قدم، خواہشوں کا جال بھی ہے
ہر خبر، انکشافِ بے خبری
ہر نفس، عرصۂ زوال بھی ہے

# ضیاءالدین نعیم/اسلام آباد

سسکتی خودکشی کرتی بھی ایک دنیا ہے
ادھر بھی دیکھ لیں دنیائے رنگ و بو والے

سید ضیاءالدین نعیم کا شمار ایسے قلم کاروں میں ہوتا ہے جو کمرشل ازم سے اپنا دامن بچائے خالصتاً علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ وہ بلند پایہ نثر نگار و شاعر ہیں۔ سید ضیاءالدین نعیم حمد، نعت، غزل، نظم اور قطعہ گوئی پر خوب دسترس رکھتے ہیں۔ انگریزی شاعری کا منظوم ترجمہ بھی ان کی دلچسپی کا میدان ہے۔ ملکی و انٹرنیشنل ادبی جرائد میں ان کے مضامین اور شاعری چھپتی رہتی ہے۔ متعدد ادبی تنظیموں کے صدر رہے۔ ''بزمِ احساس'' کے بانی صدر کی حیثیت سے انہوں نے نو سال تک علم و ادب کی جملہ جہات و اصناف میں اپنے علاقے کے نوجوانوں کو باقاعدہ اور نتیجہ خیز رہنمائی فراہم کی۔ لٹریری میگزین سہ ماہی 'سوچ' الٰہ آباد اور سہ ماہی 'دبستان' لیاقت پور کے مدیر رہے۔ وضعداری، رواداری اور رکھ رکھاؤ ان کی ذات کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کا کلام سادگی، سلاست، سچائی اور حقیقت پسندی کا مظہر ہے۔ مشکل بحروں میں نادر خیالات کا اظہار بہت آسانی اور روانی سے کرتے ہیں۔ ان کے مجموعہ کلام ''لالی، دریا، سمندر'' کی اشاعت جلد متوقع ہے۔ دو برس پہلے راولپنڈی منتقل ہوئے ہیں اور معروف ادبی تنظیم ''انحراف انٹرنیشنل'' سے بطور چیئرمین وابستہ ہونے کے بعد ادبی حلقوں میں ایک بار پھر بہت فعال ہیں۔ (ارژنگ)

کسی سے داد کے طالب نہ ہاؤ ہو والے
عجیب لوگ ہیں، یہ لوگ جستجو والے
سسکتی خودکشی کرتی بھی ایک دنیا ہے
ادھر بھی دیکھ لیں دنیائے رنگ و بو والے
یہاں یہ امر یقینی بنایا جاتا ہے
کہ سکھ کی سانس نہ لیں سکھ کی آرزو والے
سئیں گے کیسے مرے زخم زخم سینے کو
کہاں سے ایسا ہنر لائیں گے رفو والے
ادھر تو ایک سمندر ہے بے اصولی کا
ادھر ہیں عدل کی چھوٹی سی آبجو والے
وہ جن کی باتوں میں اک حسن تھا لطافت تھی
کہاں گئے وہ دھنک رنگ گفتگو والے
فضائے شہر پہ اب سفلگی کا راج ہوا
یہاں سے کوچ کریں لوگ آبرو والے
نعیم خانۂ دل میں انہیں مکین کرو
نصیب ہوتے ہیں کم کم وفا کی خو والے

---

اہلِ دل سے استفادہ کیجیے
ظرف کو اپنے کشادہ کیجیے
یاد کم رہتا ہے پیمانِ وفا
بار بار اس کا اعادہ کیجیے
ہو چکا، ماضی کا ماتم، ہو چکا
چاک اب غم کا لبادہ کیجیے
کامیابی کے کھلیں گے راستے
راہ و رسم ان سے زیادہ کیجیے
ایک رستہ اور آسانی کا ہے
اپنی بود و باش سادہ کیجیے
دیکھیے آسان ہوتا راہ کو
آپ آنے کا ارادہ کیجیے
راستے پر وہ چلیں اپنے نعیم
اختیار آپ اپنا جادہ کیجیے

---

دیکھیے جس کو زخم دیدہ ہے
آدمی، آدمی گزیدہ ہے
میں غلط کس طرح کہوں اس کو
واقعہ میرا چشم دیدہ ہے
کس کو کہتے ہیں اور پچھتانا؟
آنکھ پُرنم ہے، سر خمیدہ ہے
دل ناکردہ کار! کیا گزری!
کون سی بات پر کبیدہ ہے
ہے عیاں صاف سب کے چہروں سے
صورتِ حال کچھ کشیدہ ہے
سوچ کے کرنا اعتبار نعیم
بات دیدہ نہیں شنیدہ ہے

---

پرائے پن کا ہے اب تک پڑاؤ لہجے میں
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ، لگاؤ لہجے میں
یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی تم نے
عیاں ہے صاف کسی کا دباؤ لہجے میں
عدم تو بھی گویا مری، کھلی اس کو
تبھی در آیا ہے اتنا تناؤ لہجے میں
یہ گفتگو کسی ذی روح کی نہیں لگتی
کوئی اُتار نہ کوئی چڑھاؤ لہجے میں
زبان پر تو بظاہر خوشی کے جملے ہیں
دہک رہا ہے حسد کا الاؤ لہجے میں
نعیم دن وہ سہانے خیال و خواب ہوئے
مٹھاس لفظوں میں تھی، رکھ رکھاؤ لہجے میں

---

تمہیں پسند ہے تنہا سفر زیادہ تر
یہی رہا مرے پیشِ نظر زیادہ تر
ملے ہوں غم ہی جہاں میں اگر زیادہ تر
رہے نہ کیسے کوئی چشم تر زیادہ تر

# احمد جلیل/اوکاڑا

احمد جلیل فیڈرل گورنمنٹ بوائز ہائی سکول اوکاڑا کینٹ کے ریٹائرڈ پرنسپل ہیں۔ غزل، نظم، نعت اور نثر لکھنے میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔ تاہم ان کا اصل میدان غزل ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت میں بھی غزل کا رنگ نمایاں ہوتا ہے جو ان کی نعت کو دیگر نعت گو شعراء سے ممیز و ممتاز کرتا ہے۔ ان کی کتب "دور دست نکل جانا" شعری مجموعہ اور "نچھاور جاں مدینے پر" نعتیہ مجموعہ نے علمی ادبی حلقوں میں غیر معمولی پذیرائیاں حاصل کیں۔ اوکاڑا اور گردونواح میں برپا ہونے والی جملہ ادبی تقاریب ان کی شرکت کے بغیر نامکمل سمجھی جاتی ہیں۔ وہ حلقۂ ادب اوکاڑا چھاؤنی اور حلقہ فروغ نعت اوکاڑا کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ ان تنظیموں کے زیر اہتمام وہ بے شمار ادبی تقاریب کا انعقاد کرا چکے ہیں جن میں ملک کے معروف شعرائے کرام نے شمولیت کی۔ ان میں ظفر اقبال، اسلم کولسری، محسن بھوپالی، عباس تابش، قمر رضا شہزاد، سعود عثمانی اور جلیل عالی جیسے معتبر نام شامل ہیں۔ احمد جلیل کی شاعری میں جذبوں کی سچائیاں جھانکتی نظر آتی ہیں۔ جدت اور بے ساختگی ان کی شاعری کا امتیاز ہے۔ ان کے لہجے کی انفرادیت آوازوں کے ہجوم میں الگ سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ ان کا کلام پڑھ کر ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ (ارژنگ)

کسی بھی جسم پہ لگتا ہے سر نہیں رہنا
وہ کہہ رہا ہے کہ اب یہ نگر نہیں رہنا
سنانے والے ہیں اب لوگ فیصلہ اپنا
کہ تجھ کو شہر میں اب معتبر نہیں رہنا
ہمارے دل میں دھڑکتے ہیں آپ ہر لحظہ
ہمارے حال سے اب بے خبر نہیں رہنا
ہمیشہ اب تو اسی در کا ہو کے رہنا ہے
یہ فیصلہ ہے کہ اب دربدر نہیں رہنا
شکست کھائی ہے تجھ سے برستے ساون نے
ندامتوں میں تجھے چشم تر نہیں رہنا
کمال کوزہ گری ہم پہ ہے ابھی نازاں
پھر اپنے پاس یہ دستِ ہنر نہیں رہنا
بچے گی صرف مسافت ہمارے حصے میں
جلیل اس کو اگر ہم سفر نہیں رہنا

ہر ایک چیز ہے ویسی مگر نہیں رہا ہے
مرا مکاں ترے بعد گھر نہیں رہا ہے
فضیلتوں کی یہ دستار تو ملی ہے مجھے
یہ اور بات کہ کاندھوں پہ سر نہیں رہا ہے
مرے خدا مجھے ایسا کوئی تو پل دیدے
میں کہہ سکوں مری دھرتی پہ شر نہیں رہا ہے
بتاؤ شیشہ گراں کچھ تو کرچیاں پوچھیں
تمہارے پاس وہ دستِ ہنر نہیں رہا ہے
بلا رہی ہیں محبت کی منزلیں کب سے
ترے نصیب میں کیا یہ سفر نہیں رہا ہے
مرے وطن تری حالت بتا رہی ہے مجھے
کہ تیرے پاس کوئی دیدہ ور نہیں رہا ہے
عجیب فصلِ بہاراں ہے اب کے گلشن میں
برہنہ شاخیں ہیں کوئی ثمر نہیں رہا ہے
جلیل حوصلے پرواز کے جواں ہیں ابھی
یہ اور بات کوئی بال و پر نہیں رہا ہے

کوئی جگنو ہے دیا ہے نہ ستارا کوئی
راستہ مجھ کو بھی دکھلائے خدارا کوئی
ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہاں جانا ہے
کوئی منزل ہے نہ منزل کا اشارا کوئی
ہر کوئی اس کے ہی حلقۂ اثر میں ہے یہاں
ہر طرف اس کا ہی لگتا ہے اجارا کوئی
صبر آئے تو بتاؤ مجھے کیونکر آئے
مجھ سے بچھڑا ہے مری جان سے پیارا کوئی
جانے والے کا تو رُکنا ہی نہیں تھا ممکن
زیرِ لب چپکے سے پھر بھی تھا پکارا کوئی
زندگی لاکھ تحفظ کے حصاروں میں رہے
پھر بھی رہتا ہے تعاقب میں خسارا کوئی
اس کے چہرے کو جو دیکھیں تو یوں لگتا ہے جلیل
جیسے خالق نے صحیفہ ہو اتارا کوئی

نکل کے دل سے بدن کی حدود میں بکھرا
یہ کیسا درد ہے میرے وجود میں بکھرا
لہو لہو تھا وہ مقتل کی حد پھلانگ گیا
مگر میں مر کے بھی تیری حدود میں بکھرا
یہ حسنِ ماہ و کواکب یہ رنگِ قوسِ قزح
تمہارا حسن ہے چرخِ کبود میں بکھرا
جو ایک کھیل سمجھتا تھا عشق کو پہلے
پھر اس کے بعد اسی کھیل کود میں بکھرا
کسی کے سرد رویے کا برف موسم تھا
مگر وہ شوق کہ پھر بھی جمود میں بکھرا
گنوا دیا تھا بہت کچھ انا بچاتے ہوئے
جو بچ گیا تھا وہ نام و نمود میں بکھرا
یہ جان ویسے بھی اک دن جلیل جانی تھی
ہزار شکر میں تیرے سجود میں بکھرا

# رخشندہ نوید/لاہور

یہ لگ رہا ہے کہ اب تا ابد نہیں کرے گا
کبھی زمانہ ہماری مدد نہیں کرے گا

ڈروں نہ غیظ و غضب سے بہت عجب سا ہے
مگر جو مانگا ہے رب سے بہت عجب سا ہے
جو پنکھڑی کو کسی پنکھڑی سے وہ نسبت
جو رشتہ لب کا ہے لب سے بہت عجب سا ہے
دل ایستادہ ہے اک عمر اک زمانہ سے
ترے حضور ادب سے بہت عجب سا ہے
اڑائی نیندیں کسی اور نے مگر میں تو
گلہ گزار ہوں شب سے بہت عجب سا ہے
کبھی کبھی تو لگا گھٹ گیا وہیں مرا دم
اس انتہائے طلب سے بہت عجب سا ہے
یہی وہ دکھ ہے کہ ہوتا نہیں ہے جس کا علاج
علاج عشق مطب سے بہت عجب سا ہے
تو کیوں نہ آج کہیں گھومنے نکل جائیں
ملا ہے وقت ، سبب سے بہت عجب سا ہے
میں جن کو اپنا سمجھتی رہی انھی نے تو
کیا ہے وار عقب سے بہت عجب سا ہے
تو پیش آتی ہے رخشندہ اک خلوص کے ساتھ
تو اک خلوص سے سب سے بہت عجب سا ہے

---

یہ لگ رہا ہے کہ اب تا ابد نہیں کرے گا
کبھی زمانہ ہماری مدد نہیں کرے گا
وہی ہے تو جہاں حدِ جمال ختم ہوئی
وہ کون ہے کہ جو تجھ سے حسد نہیں کرے گا
اس اعتماد سے دوں گی میں عرضداشت اُسے
بنا پڑھے وہ کبھی مسترد نہیں کرے گا
وہ بددعا کہ دُعا ہو فقیر کے دل کی!
سنا ہے میرا خدا اس کو رد نہیں کرے گا
ہمارا اس سے تعلق نہ ہونے جیسا ہے
ہمارے ساتھ وہ اب نیک و بد نہیں کرے گا
بس ایک شرط پہ دل کو معاف کر دیا ہے
دوبارہ پار کبھی ایسی حد نہیں کرے گا
یہ درد گنتے ہوئے تھک گئی ہے رخشندہ
جمع اب اس میں کوئی بھی عدد نہیں کرے گا

---

نہ آرزوئے تخت ہے نہ تاج چاہیے ہے بس
ہمیں تو اپنے درد کا علاج چاہیے ہے بس
تمہاری دید کی طلب ہے کاسۂ نظر کو یوں!
کسی کو جیسے بھوک میں اناج چاہیے ہے بس
خدا کرے کہ بعد ازاں یہ لوک داستاں بنے
کتابِ عشق میں اک اندراج چاہیے ہے بس
طلوع جانے ہو نہ ہو حسین آنے والا کل
جو آج چاہتے ہیں ہم تو آج چاہیے ہے بس
اداسیوں سے اسقدر بھری پڑی ہے زندگی
معاف کیجیے دوست خوش مزاج چاہیے ہے بس
بجھا رہے ہیں ان دنوں ہم اپنے دل کی آگ کو
غریب ہجر ہیں سو کام کاج چاہیے ہے بس
اندھیری بستیوں میں ہو کہیں کہیں دیے کی لو
پلک کی نوک پہ اک احتجاج چاہیے ہے بس
نوادرات ذات سے غرض نہیں رہی اُسے
بدن کی راج دھانیوں پہ راج چاہیے ہے بس

---

مہک رہی تھیں جو چنبیلیاں نکالی گئیں
چمن سے خوشبو کی سب چیلیاں نکالی گئیں
گزر گئے مرے دل سے جلوسِ آتشِ غم
دکھوں کی بعد میں کچھ ریلیاں نکالی گئیں
ہماری زلف ہے اس دستِ شوخ سے محروم
سو اب ہواؤں سے اٹھکیلیاں نکالی گئیں
کچھ ایسے دل نے پکارا اُسے کہ سمجھے لوگ
لبوں سے مصری کی کچھ ڈھیلیاں نکالی گئیں
پھریں گے شہر میں بے کار اب تو خواب فروش
گلی سے اُن کی سبھی ٹھیلیاں نکالی گئیں
منالو خیر خبر اڑ رہی ہے رخشندہ
کہ بزمِ یار سے سوتیلیاں نکالی گئیں

---

کب کسی تالاب کا پانی رواں رکھا گیا
میں وہیں موجود ہوں مجھ کو جہاں رکھا گیا
جو نہایت مہرباں ہے وہ نہاں رکھا گیا
اس جہاں میں ماں کو اس کا ترجماں رکھا گیا
ہجر کو اس واسطے شہرت زیادہ مل گئی
آرزوئے وصل کو بے حد گراں رکھا گیا
خاک سے اٹھ کر کہیں آباد ہونا ہے ہمیں
اس لئے اتنا کشادہ آسماں رکھا گیا
میں پکڑ رکھوں طناب عمر اپنے ہاتھ میں
خود پہ قادر اس قدر مجھ کو کہاں رکھا گیا ہے؟
کس طرح اس کے گلے لگ جائے رخشندہ نوید
خود مرے پتھر بدن کو درمیاں رکھا گیا

# آصف شفیع/سعودی عرب

دشت سے شہر میں کچھ سوچ کے آنا آصف
زندگی بھر کی ریاضت پہ نہ پانی پڑ جائے

---

راہِ جنوں پہ چل پڑے، جینا محال کر لیا
ہم نے تلاشِ حسن میں خود کو نڈھال کر لیا
مجھ کو تو خیر چھوڑیے، میری تو بات اور تھی
یہ بھی بہت ہے، اُس نے کچھ اپنا خیال کر لیا
کیسے وہ دن تھے پیار کے، خود پہ بھی جب یقین تھا
پل میں جدائی ڈال لی، پل میں وصال کر لیا
جیتے رہے ہیں وصل میں، مرتے رہے ہیں ہجر میں
یہ بھی کمال کر لیا، وہ بھی کمال کر لیا
اپنی بھی کچھ خبر نہیں، دل کی بھی کچھ خبر نہیں
ہم نے تمہارے ہجر میں، کیسا یہ حال کر لیا

---

دل میں وفا کی ہے طلب، لب پہ سوال بھی نہیں
ہم ہیں حصارِ درد میں، اُس کو خیال بھی نہیں
اتنا ہے اس سے رابطہ، چھاؤں سے جو ہے دھوپ کا
یہ جو نہیں ہے ہجر تو پھر یہ وصال بھی نہیں
وہ جو اَنا پرست ہے، میں بھی وفا پرست ہوں
اُس کی مثال بھی نہیں، میری مثال بھی نہیں
عہدِ وصالِ یار کی تجھ میں نہاں ہیں دھڑکنیں
موجۂ خونِ احتیاط! خود کو اُچھال بھی نہیں
تم کو زبان دے چکے، دل کا جہان دے چکے
عہدِ وفا کو توڑ دیں، اپنی مجال بھی نہیں
اُس سے کہو کہ دو گھڑی، ہم سے وہ آ ملے کبھی
مانا! یہ ہے محال پر، اتنا محال بھی نہیں

---

جہانِ حُسن و نظر سے کنارہ کرنا ہے
وجودِ شب کو مجھے استعارہ کرنا ہے
مرے دریچۂ دل میں ٹھہر نہ جائے کہیں
وہ ایک خواب کہ جس کو ستارہ کرنا ہے
تمام شہر اندھیروں میں ڈوب جائے گا
ہوا کو ایک ہی اس نے اشارہ کرنا ہے
یہ قربتوں کے ہیں لمحے، انھیں غنیمت جان
انھی دنوں کو تو ہم نے پکارا کرنا ہے
وہ دوستوں کو بتائے گا پیار کا قصہ
اور اس نے ذکر بہت کم ہمارا کرنا ہے
مری نگاہ میں جچتا نہیں کوئی آصف
سو اس کے قرب کو حاصل دوبارہ کرنا ہے

---

عمر ساری تری چاہت میں بتانی پڑ جائے
یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آگ بجھانی پڑ جائے
میری اس خانہ بدوشی کا سبب پوچھتے ہو
اپنی دیوار اگر تم کو گرانی پڑ جائے
میرے اعدا سے کہو، حد سے تجاوز نہ کریں
یہ نہ ہو مجھ کو بھی شمشیر اٹھانی پڑ جائے
کیا تماشا ہو اگر منصفِ اعلیٰ کو بھی
درِ انصاف کی زنجیر ہلانی پڑ جائے
کاش پھر مجھ سے وہ پوچھیں مری وحشت کا سبب
کاش پھر مجھ کو وہ تصویر دکھانی پڑ جائے
دشت سے شہر میں کچھ سوچ کے آنا آصف
زندگی بھر کی ریاضت پہ نہ پانی پڑ جائے

---

آبدیدہ تھا جو میں بے سرو سامانی پر
محوِ حیرت ہوں محبت کی فراوانی پر
تجھ سے بیگانۂ احساسِ الم کیا جانیں
کیا گزرتی ہے شب و روز کے زندانی پر
چشمِ نم سے کہاں ممکن ہے نظارا دل کا
نقش بنتا ہی نہیں بہتے ہوئے پانی پر
حسنِ جاں سوز کو جب شعر میں ڈھالا میں نے
لوگ حیران ہوئے میری سخن دانی پر
وہی اندازِ عمل داری بھی سکھلائے گا
جس نے مامور کیا مجھ کو جہاں بانی پر
میرا ہر خواب تہِ خاک پڑا ہے آصف
نوحہ کس طرح لکھوں شہر کی ویرانی پر

---

کبھی اپنے نشاں کھوئے ہوئے ہیں
نہ جانے ہم کہاں کھوئے ہوئے ہیں
اُدھر طوفان کے آثار گہرے
اِدھر ہم بادباں کھوئے ہوئے ہیں
ہمیں اپنا ستارہ ڈھونڈنا ہے
فلک کے درمیاں کھوئے ہوئے ہیں
ہمیں اُس شہر کے جلوے دکھاؤ
کہ جس میں سب جہاں کھوئے ہوئے ہیں
ہمارے پاس لفظوں کے گہر ہیں
مگر طرزِ بیاں کھوئے ہوئے ہیں

# عفت علوی / لاہور

فضا میں کب رچی ہے اُس کی خوشبو جان لیتی ہوں
میں بند آنکھوں سے بھی اُس شخص کو پہچان لیتی ہوں

عمر بھر امتحان میں رکھنا
مجھ کو ایسے جہان میں رکھنا
کام آئے گا تیرگی میں کبھی
اک دیا بھی مکان میں رکھنا
دکھ کا جس سے علاج ہو ممکن
وہ دوا بھی دکان میں رکھنا
ہو تو سکتا ہے وار تم پر بھی
تیر تم بھی کمان میں رکھنا
زندگی اچھی بیت جائے گی
بول میٹھے زبان میں رکھنا
جس میں گرنے کا ڈر نہ ہو عفت
خود کو ایسی اُڑان میں رکھنا
میں تو عفت علیؑ کی ہوں لوگو
تم یہ نسبت بھی دھیان میں رکھنا

---

فضا میں کب رچی ہے اُس کی خوشبو جان لیتی ہوں
میں بند آنکھوں سے بھی اُس شخص کو پہچان لیتی ہوں
تمہیں مجھ سے محبت ہے کہو نہ ہے
میں ہر پل ہر گھڑی اُس سے یہی پیمان لیتی ہوں
اگرچہ بات تو ہے اختلافِ رائے کی لیکن
تمہارے منہ سے نکلی ہے تو میں سچ مان لیتی ہوں
مجھے جب بھی زمانے کے دکھوں نے گھیرنا چاہا
میں تیری یاد کی چادر کو خود پر تان لیتی ہوں
حسینی ہوں سو جب بھی ظلم کی دیوار اُٹھتی ہے
تو اس کو ختم کرنے کے ارادے ٹھان لیتی ہوں

---

زندگی بے امان ہے شاید
تو بھی میرا گمان ہے شاید
میری حدِ نگاہ جب تک ہے
وہ جگہ آسمان ہے شاید
بات بے بات ٹوٹ جاتا ہے
دل بھی کچا مکان ہے شاید
پیار میں بھی نہیں جھکیں لوگو
اُس کی آنکھوں میں آن ہے شاید
اب بھی سینے میں درد اُٹھتا ہے
دل میں تھوڑی سی جان ہے شاید

---

تیری زمیں سے اُٹھیں گے تو آسماں ہوں گے
ہم ایسے لوگ زمانے میں پھر کہاں ہوں گے
چلے گئے تو پکارے گی ہر صدا ہم کو
نا جانے کتنی زبانوں سے ہم بیاں ہوں گے
سمیٹ لیجیے بھیگے ہوئے ہر اک پل کو
بکھر گئے جو یہ موتی تو رائیگاں ہوں گے
لہو لہو کے سوا کچھ نہ دیکھ پاؤ گے
ہمارے نقشِ قدم اس قدر عیاں ہوں گے
اُداس دل کا ٹھکانہ کسی کو کیا معلوم
ہم اپنے آپ سے بچھڑے تو پھر کہاں ہوں گے

---

رنگوں کو اپنا سکتا ہے کوئی بھی
پیار کا نغمہ گا سکتا ہے کوئی بھی
تیری آنکھ سے دنیا کو میں کیوں دیکھوں
میری آنکھ کو بھا سکتا ہے کوئی بھی
دل کے جب دروازے سارے کھلے ہوں
پھر تو اندر آ سکتا ہے کوئی بھی
پہلی بار بنانا مشکل ہوتا ہے
دوجی بار بنا سکتا ہے کوئی بھی
خوف کے اندر زندہ رہنا ٹھیک نہیں
ویسے تو گھبرا سکتا ہے کوئی بھی

---

## محبت اپنا رستہ خود بناتی ہے

یہ دنیا سات ارب کی ہے
مگر اس بھیڑ میں جاناں
میرے ہاتھوں میں تیرا ہاتھ آیا ہے
اور اس کے بعد ہمارے واسطے اتنا ہی کافی ہے
کہ ہم اک دوسرے سے پیار کرتے ہیں
تم اکثر مجھ سے کہتے ہو!
کہ ہم نے جو سفر آغاز کر رکھا ہے چاہت کا
کہیں بیکار نہ جائے
تو میرے واسطے جاناں سوئے دار نہ جائے
یہ سارے وسوسے جو کہ تمہارے دل میں بستے ہیں
انھیں یکسر بھلا ڈالو
چلے آؤ میری جانب چلے آؤ
محبت کر تو لی ہم نے
پھر اس کے بعد سارے غم محبت کے حوالے ہیں
محبت جو اندھیری شب میں بھی اُمید کی شمعیں جلاتی ہے
محبت جو فراقِ یار میں بھی وصل کے قصے سناتی ہے
میرے محبوب میری جان
محبت اپنا رستہ خود بناتی ہے

# سمندر منصوری/لاہور

## اُوقات

مجھ کو پیار سے دیکھنے والی
اپنی کار سے دیکھنے والی
تم کو یہ معلوم نہیں ہے
گورے گورے گالوں والا
گھنگریالے بالوں والا
کتنا مفلس بندہ ہے
تیرا پیار تو اندھا ہے
پہلے اپنی آنکھیں کھولو
میرے ہاتھ کو ہاتھوں میں لو
کچی پکی سڑک سے ہو کر
تنگ گلی کی اندر آؤ
خستہ سا اک دروازہ ہے
اس کو تھوڑے پیار سے کھولو
ٹوٹا پھوٹا فرش ہے گھر کا
رنگ سے عاری دیواریں ہیں
کمرے بھی بس نام کے کمرے
بارش میں کس کام کے کمرے
جیسے باہر بارش برسے
ویسے اندر پانی ٹپکے
سردی کی تو بات ہی کیا ہے
سونے دے جو رات ہی کیا ہے
میری پھر اُوقات ہی کیا ہے
مجھ کو پیار سے دیکھنے والی
اپنی کار سے دیکھنے والی

## محبوب کا گاؤں

یہ مانا کہ ہواؤں میں تناسب خوشبوؤں کا کچھ زیادہ ہو گیا ہے
یہ مانا کہ سفر محبوب کے گھر کا بھی ادھا ہو گیا ہے
مگر اے دل ابھی سے اسقدر یہ بے قراری بھی نہیں اچھی
ابھی تو وصل کے موسم کی پہلی بوند ٹپکی ہے
ابھی تو حُسن کی دہلیز تک پاؤں نہیں آیا
سکوں اے دل ابھی محبوب کا گاؤں نہیں آیا

## مول

شام سے پہلے لوٹ آؤں گا
آج بھی اُس سے کہہ آیا ہوں
آج بھی لیکن مِل مالک نے
کچھ سِکوں کے بدلے میں
شام کو گروی رکھ چھوڑا ہے

## آٹوگراف

چاندنگر کو جانے والو
ایک گزارش سنتے جانا
چاند کے باہر بورڈ لگا دو
جس پر یہ پیغام لکھا ہو
منع ہے اندر دکھ لے جانا

میں ریت کا صحرا ہوں سمندر میرے اندر
تنہا سرِ مقتل ہوں بہتر میرے اندر
اب ایسا بھی میں بے سروسامان نہیں ہوں
رہتا ہے عزاداروں کا لشکر میرے اندر

ملک کے نامور مزاح نگار حافظ مظفر محسن کی
منتخب مزاحیہ تحریروں پر مشتمل انتخاب
''بونا نہیں بے وقوف''
کا تیسرا ایڈیشن ساٹھ اسکیچز اور
۳۲ رنگین تصاویر کے ساتھ
شائع ہو گیا ہے
صفحات: 320 قیمت: 500 روپے
ناشر: نستعلیق پبلشرز
الفیروز سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

# سحر تاب رومانی / متحدہ عرب امارات

میں جو ہر ایک راہ کو رستہ بنا گیا
مسدود مجھ پہ میرے یہ رستے کیے گئے

بزمِ جہانِ شوق کا محور بھی میں ہی تھا
اوراقِ دل پہ حرفِ مکرر بھی میں ہی تھا
جتنے بھی عکس تھے مرے اطراف میرے تھے
اندر بھی آئینے کے میں، باہر بھی میں ہی تھا
برسوں سے جس پہ کوئی بھی دستک نہیں ہوئی
اس شہرِ بے چراغ میں وہ در بھی میں ہی تھا
میں نے ہی اس کے حُسن کو بخشی تھی دلکشی
اُس پیکرِ جمال کا مظہر بھی میں ہی تھا
الزام نامرادئ منزل میں کس کو دوں
خود اپنی رہ گزار کا پتھر بھی میں ہی تھا
دیکھا تو دور تک مرا ہمسر نہ تھا کوئی
سوچا تو اپنے قد کے برابر بھی میں ہی تھا
بزمِ سخن کی رونقیں سب میرے دم سے تھیں
شہرِ سخنوراں میں سخن ور بھی میں ہی تھا

---

عہدِ جدید ہے ذرا لہجہ جدید کر
بنجر زمیں سے نت نئی غزلیں کشید کر
رکھ کر چراغ سامنے سوچوں میں گم نہ ہو
آنکھوں میں اُس کا عکس ہے تکمیلِ دید کر
چپ رہ کے اور بڑھتی ہے اندر کی خامشی
کوئی نہیں تو خود سے ہی گفت و شنید کر
وہ جو حدودِ وقت سے آگے نکل گئے
تو ان کو ڈھونڈنے کی نہ کوشش مزید کر
ملکِ سخن کی دیویاں بے مول ہو گئیں
شاعر بنے ہیں لوگ یاں غزلیں خرید کر
اُڑتی ہے دور تک سحرؔ افسردگی کی ریت
جا اب دیارِ غیر میں چپ چاپ عید کر

---

میں نے یہ کب کہا ہے کہ دھوکے کیے گئے
وعدے کیے گئے تھے جو، پورے کیے گئے؟
پہلے تو بیچ صحن میں دیوار تھی فقط
پھر اس مکان کے کئی حصے کیے گئے
پہلے ہماری سرحدیں تشکیل دی گئیں
پھر اس کے بعد ملک کے سودے کیے گئے
پھر یوں ہوا کہ وقت نے یہ فیصلہ دیا
جو لوگ اگلی صف میں تھے، پیچھے کیے گئے
کاپی، قلم، کتاب پر شب خون مار کر
مفلوج میری قوم کے بچے کیے گئے
میں نے یہ جب کہا مجھے انصاف چاہیے
میری زبان کے کئی ٹکڑے کیے گئے
میں جو ہر ایک راہ کو رستہ بنا گیا
مسدود مجھ پہ میرے ہی رستے کیے گئے
تلوار اپنی میں نے بھی پھر بے نیام کی
چاروں طرف سے مجھ پہ جو حملے کیے گئے
لڑتا رہا ہوں میں وہاں جنگ اصول ہی
پامال ہر طرح جہاں رشتے کیے گئے

---

لکھ کر غزل کبھی غزل آرائی کی نہیں
کی شاعری تو قافیہ پیمائی کی نہیں
میں نے ہی خود کو داد دی، شاباش بھی کہا
میری کسی نے حوصلہ افزائی کی نہیں
جو کچھ لکھا خیال کی سچائی سے لکھا
یعنی کبھی مبالغہ آرائی کی نہیں
سمجھانے کے لیے مجھے مجمع بھی چاہیے
وہ بات بھیڑ ہی کی ہے، تنہائی کی نہیں
دشمن ذہین تھا کیا ذہنوں کو اُس نے فتح
اُس نے محض علاقوں کی پسپائی کی نہیں
مجھ سے خفا ہو کیوں مرے دم ساز دوستو
اب تک بیان میں نے سچائی کی نہیں
میں عام فہم گفتگو کرتا ہوں اے سحرؔ
پیدا کسی بھی لفظ میں گہرائی کی نہیں


سیالکوٹ میں مقیم معروف شاعر فرانس سائل
کا پنجابی شعری مجموعہ
"دیواں دردا دُھارے کنوں"
مکمل اہتمام کے ساتھ شائع ہو گیا ہے
صحافت: 128    قیمت: 200
ناشر: نستعلیق پبلی کیشنز
الفیر وز سنٹر، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

# سونیا خان/اوسلو

سبز مخملی گھاس پر ننگے پاؤں چلتے چلتے، اس کی نرم طراوت کو محسوس کرتے کرتے اگر ایک دم کوئی زنگ آلود کیل تلوے میں چبھ جائے تو کیسا لگتا ہے؟ سونیا خان کی مختصر نثری نظمیں ریشم میں لپٹے ہوئے ایسے ہی ریزے ہیں جن کا ریشمی لمس محسوس کرتے کرتے آخری سطر تک پہنچتے ہی یک دم چبھن کا احساس ہوتا ہے۔ مختصر بلکہ مختصر ترین یہ "نظمانے" نثر کے ایسے خوشنما لیکن تلخ ریزے ہیں بالشت بھر قلیل البتہ کثیر نہیں ہیں، ہنرمندی سے تراشے ہوئے کاغذ کے پھول ہیں جنھیں اوّل مرتبہ لیکن خوب صورت دیکھ کر ان کو چھونے کے لیے بے اختیار انگلیاں آگے بڑھتی ہیں لیکن ان کی تقصیر و تخفیف میں وہ معانی پوشیدہ ہیں جو بالیدگی میں بے مثال و بے بدل ہیں۔ انگریزی میں مختصر ترین نظمیہ ریزوں کو Snipers بھی کہا جاتا ہے۔ ایک درجن کے قریب جو نظمانے میں نے پڑھے ہیں سبھی بھرپور اور دیرپا تاثر کے حامل ہیں۔ (ڈاکٹر ستیہ پال آنند)

## رقص

وقت ٹھہرا ہے کہ
وقت میں کہیں......تم ٹھہرے ہو
گھڑی کی خاموش سوئیاں
بنا آہٹ کیے
تمہارا طواف کرتی ہیں......اور میں
اُن سوئیوں کے بیچ نقطے پر
نظر جمائے
وقت کو رقص کرتا دیکھتی ہوں

## خواب

عدالت کا منظر تھا کوئی
جہاں پر
اک
جنابِ عالی
میرے محبوب کو
ملزم بلا رہے تھے
اور میری زندگی کی داستان کو
استغاثہ کہہ رہے تھے

## کیل

نہ جانے کس نے
میرے تابوت کی
کیلیں نکال دیں
میں تازہ ہوا میں
سانس لینے
تابوت سے باہر نکل آئی
مردہ یادوں کی سڑاند نے
فضا کو
بدبودار کر دیا تھا
میں واپس اپنے
تابوت میں جا کر
لیٹ گئی
اور اس بار
کیل
اندر سے
گاڑ دی

## صدیوں پہلے

صدیوں پہلے
اک بدھ گزرا

جس نے
جنگلوں میں
جنموں کی
تپسیا کے بعد
نروان پایا اور جانا
انسان کی بدقسمتی
اُس کا جنم لینا ہے
وہ اگر
عورت ہوتا
تو
نروان کے ساتھ
جنم لیتا

## گیلی مٹی

گیلی مٹی ہوں
سوکھے پانیوں میں
بہتی ہوں
جب دریا
تھک جاتا ہے
مجھ میں
پناہ لیتا ہے

# وحیداحمد زمان/

ہماری آنکھ میں جتنے بھی خواب رکھے تھے
بنامِ خواب کسی نے عذاب رکھے تھے

وحیداحمد زمان ایک شاندار شاعر تو ہے۔ وہ شعروادب کے کئی رستوں پر چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ہر کہیں اس کی موجودگی کا منظر خوبصورت اور قابلِ دید ہے، وہ بے مثال آدمی ہے۔ وحیداحمد زمان نے گوجرانوالہ سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ وہ آغاز کے راز کو جانتا ہے۔ اس راز کو مزید منکشف کرنے کے لیے وہ لاہور چلا آیا۔ یہاں کئی راز اس کے منتظر تھے وہ رازوں کے انکشاف میں دلچسپی رکھتا ہے۔ رازوں کو افشا نہیں کرنا چاہتا۔ وہ رازوں کو اس طرح بیان کرنے کا ہنر جانتا ہے کہ وہ راز بھی رہیں اور منکشف ہونے کی خوشبو بھی محسوس ہو۔ خوشبو اپنے ہونے کا پتہ دیتی ہے مگر نظر نہیں آتی۔ یہی فن کی معراج ہوتی ہے کہ آدمی کچھ کہہ بھی جائے اور کچھ ان کہی بھی رہنے دے۔ یہ پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ ہوتا ہے۔

عجیب حال ہے دل کا، عجب اُداسی ہے
کوئی سبب بھی نہیں بے سبب اُداسی ہے
کسی خوشی کا بھی احساس تک نہیں ہوتا
مرے قریب فقط روز و شب اُداسی ہے
رُخِ فراق پہ ہے خوب وصل کا غازہ
یہاں تو آج بنامِ طرب اُداسی ہے
اُداس رہتا ہوں تو اچھے شعر کہتا ہوں
یہی سبب ہے کہ میری طلب اُداسی ہے
یہ زندگانی تو اک دشتِ خواب جیسی ہے
یہاں وحید ہے جو کچھ وہ سب اُداسی ہے

ہماری راہ میں کانٹے بچھانے والوں نے
ہمارے ہاتھ پہ کتنے گلاب رکھے تھے
ہمارے دل کو کہاں ملنا تھا قرار کہیں
قدم قدم پہ یہاں اضطراب رکھے تھے
ہمیں ملا جو بھی کچھ سب نظر کا دھوکا تھا
ہماری زیست میں ہر سُو سراب رکھے تھے
ہم اپنے دل میں جدھر بھی نظر اُٹھاتے تھے
تمہارے نام کے غم بے حساب رکھے تھے
وحید ہم کو ملی تھی عجب طرزِ حیات
طرب کے لمحے بھی زیرِ عتاب رکھے تھے

چل پڑے ہیں ناگہاں اُلجھے ہوئے
دیکھتے جائیں کہاں اُلجھے ہوئے
مجھ کو لگتے ہیں یا سب کو لگتے ہیں
یہ زمین و آسماں اُلجھے ہوئے
حالِ دل کیسے کروں تجھ سے بیان
لفظ ہیں زیرِ زباں اُلجھے ہوئے
آ گیا مجھ میں کہاں سے یہ سکوت
ہیں مرے سب مہرباں اُلجھے ہوئے
رات دن بے چین رکھتے ہیں وحید
ذہن میں سود و زیاں اُلجھے ہوئے

حقیقتوں کو گھڑی بھر میں خواب کر ڈالا
سمندروں کو کسی نے سراب کر ڈالا
محبتیں ہیں سراسر خسارے کا سودا
تمام عمر کا میں نے حساب کر ڈالا
خود اپنے آپ کو بھی مشکلوں میں ڈال لیا
مرا بھی جینا کسی نے عذاب کر ڈالا
میں اس کے بارے سوالوں پہ ہو گیا خاموش
کسی نے آج مجھے لاجواب کر ڈالا
وحید پہلے تو اس طرح کا نہیں تھا میں
ہوائے دہر نے مجھ کو خراب کر ڈالا

میرے ہر کام پہ تنقید ضروری تھی کیا؟
اور اس کے لیے تمہید ضروری تھی کیا؟
جن رسومات کو دنیا نے پذیرائی دی
ان رسومات کی تقلید ضروری تھی کیا؟
تم اگر مجھ سے محبت نہیں کرتے نہ سہی
لیکن اس بات کی تردید ضروری تھی کیا؟
خوش رہوں اور تمہیں یاد زیادہ نہ کروں
جاتے جاتے مجھے تاکید ضروری تھی کیا؟
مرحلہ وار اذیت سے گزرتا ہوں جب
سوچتا ہوں کہ تری دید ضروری تھی کیا؟
وہ جو موسم کی طرح خود کو بدل لیتا ہے
اس سے رکھنی کوئی اُمید ضروری تھی کیا؟
جب دلوں میں وہ محبت ہی نہیں باقی وحید
پھر کسی عہد کی تجدید ضروری تھی کیا؟

چراغِ خواہشِ دل کو بجھانا پڑتا ہے
محبتوں میں خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے
عجیب دنیا ہے ہجر و وصال کی دُنیا
قریب آ کے بہت دور جانا پڑتا ہے
دیارِ شوق میں تادیر رہنا مشکل ہے
یہاں تو اپنا بھرم بھی گنوانا پڑتا ہے
جہانِ عشق کی مجبوریاں نہ پوچھ ہمیں
جہاں پہ جانا نہیں ہوتا جانا پڑتا ہے
رہِ خلوص پہ چلنا بہت کٹھن ہے وحید
کہیں پہ اشک، کہیں خوں بہانا پڑتا ہے

# قمر حجازی / اوکاڑا

تری تحریر پر ہم فیصلہ محفوظ رکھتے ہیں          تری چٹھی ہے اچھی یا خبر ہم کچھ نہیں کہتے

اوکاڑا کی ادبی تاریخ میں ایک معتبر نام، اردو، پنجابی زبان میں سخن کی ہر صنف پر طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ تدریسی پیشہ اختیار کرتے ہوئے ادبی میدان میں بھی بھرپور توجہ دے کر اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کروایا۔ اوکاڑا کے ادبی آسمان میں چمکتے ہوئے ستاروں اقبال صلاح الدین، اسلم کولسری، ظفر اقبال، مسعود اوکاڑوی اور دوسرے ستاروں کے اس جھرمٹ میں اپنی شناخت لیے آسمان ادب پر روشنی بکھیر رہے ہیں۔ ملک کے نامور جرائد، ماہناموں، روزناموں، ہفت روزہ، پندرہ روزہ، سہ ماہی، ششماہی رسائل، کتابی سلسلوں اور دیگر سلاسل و ذرائع ابلاغ میں چھپنے کے ساتھ ساتھ کم و بیش 22 تصانیف اپنے چاہنے والوں تک پہنچا چکے ہیں۔ (ناز اوکاڑوی)

نظر میں کون ہوگا معتبر، ہم کچھ نہیں کہتے
لگیں گے بات کو کیوں بال و پر، ہم کچھ نہیں کہتے
ابھی تو بات دل کی میرے ہونٹوں پر نہ آئی تھی
انھیں کیسے ہوئی اس کی خبر، ہم کچھ نہیں کہتے
سبھی کچھ دیکھتے ہیں اور آنکھیں بند رکھتے ہیں
سبھی کچھ جانتے ہیں ہم، مگر ہم کچھ نہیں کہتے
اُدھر انکار سے ہم پر قیامت بیت جائے گی
ادھر ہاں سے پڑے گا کیا اثر ہم کچھ نہیں کہتے
تری تحریر پر ہم فیصلہ محفوظ رکھتے ہیں
تری چٹھی ہے اچھی یا خبر ہم کچھ نہیں کہتے
ابھی ہم قرب کے ماحول سے باہر نہیں نکلے
ترے بن کس طرح ہوگی بسر ہم کچھ نہیں کہتے
ترے قدموں کو میرے گھر کے رستے یاد کرتے ہیں
لپٹ کر رو رہی ہے رہگزر ہم کچھ نہیں کہتے
ہمیں خاموش رہنا آتا ہے غصے کی حالت میں
تجھے اے جانِ جاں، جانِ جگر ہم کچھ نہیں کہتے
ہماری زندگی میں اس لیے بھی پیار ملتا ہے
اُدھر وہ کچھ نہیں کہتے، ادھر ہم کچھ نہیں کہتے
ہمیں رندوں کی مدہوشی بڑی ہی اچھی لگتی ہے
مگر دانش وروں کے ہوش پر ہم کچھ نہیں کہتے
وہ لمحہ کیسا لمحہ ہوگا جب وہ اتنا کہہ دیں گے
چلے آؤ مرے پیارے قمر ہم کچھ نہیں کہتے

کامیابی سے گھات جلتی ہے
میں نے کھائی جو مات جلتی ہے
دل کے آتش کدہ میں روز و شب
میری اپنی ہی ذات جلتی ہے
جس کو دن بھر تلاش کرتا ہوں
اُس کی یادوں میں رات جلتی ہے
آگ اتنی بھری ہے لفظوں میں
بات کرتا ہوں بات جلتی ہے
یہ قلم کی زبان کہتی ہے
ساتھ میرے دوات جلتی ہے
کچھ نہ پوچھو قمر حجازی سے
ہجر میں کیسے رات جلتی ہے

جب حقیقت مجاز لگتی ہے
تو بڑی دل گداز لگتی ہے
موت تو اک اٹل حقیقت ہے
زندگی جیسے راز لگتی ہے
مختصر ہیں وصال کے لمحے
ہجر کی شب دراز لگتی ہے
داستاں میری سن کے وہ بولے
ہاں فسانہ طراز لگتی ہے
شعر کہتے ہوئے قمر ہم کو
روح وقفِ نماز لگتی ہے

نوشگفتہ جمیل غزلیں
لکھ رہا ہوں طویل غزلیں
غفلتوں سے نہ جانے کتنی
ہو گئی ہیں قتیل غزلیں
جو محبت کے گُر نہ جانے
وہ لکھے گا علیل غزلیں
چہرے چہرے پہ ثبت ہیں کیا
خوبصورت شکیل غزلیں
معجزہ ہے یہ دو دلوں کا
پیار کی ہیں دلیل غزلیں
وہ امر ہو گیا ادب میں
جو نکالیں سبیل غزلیں
آپ آئیں، مجھے خوشی ہے
لکھ کے لائیں اصیل غزلیں
ناز کرتا ہوں اے قمر میں
ہیں مری بے عدیل غزلیں

## یعنی میں زندہ ہوں

مغرب کا باسی
بن تو جاؤں
لیکن
میرے اندر اب بھی
پورا مشرق
جاگ رہا ہے

## دلاور علی آزر/راولپنڈی

اک لہر یہاں آتی ہے نیندوں کے سفر
اور خواب اُترتا ہے سفینے سے ہمارا

سات دریاؤں کا پانی ہے مرے کوزے میں
بند اک تازہ کہانی ہے مرے کوزے میں
تم اسے پانی سمجھتے ہو تو سمجھو صاحب
یہ سمندر کی نشانی ہے مرے کوزے میں
میرے آبا نے جوانی میں مجھے سونپا تھا
میرے آبا کی جوانی ہے مرے کوزے میں
چاروں سمتوں میں کوئی شے بھی اگر ہے موجود
اُس نے وہ لا کے گرانی ہے مرے کوزے میں
قرض ہے مجھ پہ جو اک عکس تمنا آزر
اس نے کیا شکل بنانی ہے مرے کوزے میں

درونِ خواب نیا اک جہاں نکلتا ہے
زمیں کی تہہ سے کوئی آسماں نکلتا ہے
بھلا نظر بھی وہ آئے تو کس طرح آئے
مرا ستارہ پسِ کہکشاں نکلتا ہے
ہوائے شوق یہ منزل سے جا کے کہہ دینا
ذرا سی دیر ہے بس کارواں نکلتا ہے
مری زمین پہ سورج بوقتِ صبح و مسا
نکل تو آتا ہے لیکن کہاں نکلتا ہے
یہ جس وجود پہ تم ناز کر رہے ہو میاں
یہی وجود بہت رایگاں نکلتا ہے
مقامِ وصل اِک ایسا مقام ہے کہ جہاں
یقین کرتے ہیں جس پر گماں نکلتا ہے

بدن کو چھوڑ ہی جانا ہے روح نے آزر
ہر اک چراغ سے آخر دھواں نکلتا ہے

آزر رہا ہے تیشہ مرے خاندان میں
پیکر دکھائی دیتے ہیں مجھ کو چٹان میں
سب اپنے اپنے طاق میں تھرا کے رہ گئے
کچھ تو کہا ہوا نے چراغوں کے کان میں
میں اپنی جستجو میں یہاں تک پہنچ گیا
اب آئنہ ہی رہ گیا ہے درمیان میں
نکلی نہیں ہے دل سے مرے بددعا کبھی
رکھے خدا عدو کو بھی اپنی امان میں
میں چشم ولب سے بارہا کہتا رہا یہ بات
مجھ کو نہ ڈالیے گا کسی امتحان میں
منظر بھٹک رہے تھے در و بام کے قریب
میں سو رہا تھا خواب کے پچھلے مکان میں
آزر اسی کو لوگ نہ کہتے ہوں آفتاب
اک داغ سا چمکتا ہے جو آسمان میں

دیکھ لو پھر یہ ستارہ نہیں روشن ہونا
بجھ گیا میں تو دوبارہ نہیں روشن ہونا
لاکھ ترکیب کیے جاتے ہوں مٹی سے چراغ
کوزہ گر مان یہ گارہ نہیں روشن ہونا
کشتیوں والے مری رمز سمجھتے ہوں گے
مجھ پہ ایسے ہی کنارہ نہیں روشن روشن
ہو بھی سکتا ہے یہ آئینہ کسی پر روشن
ہاں مگر سارے کا سارا نہیں روشن ہونا
مجھ میں اک آگ ہے جو آپ بھڑک اُٹھے گی
اس طرح مجھ کو گوارہ نہیں روشن ہونا
ہم جب آئے تو یہاں پہلے سے طے تھا سب کچھ
یعنی ایمان ہمارا نہیں روشن ہونا
کاش یہ اہلِ سخن بات کی تہہ تک پہنچیں
صرف لفظوں سے نظارہ نہیں روشن ہونا
اک یہی بات تو روشن ہے ازل سے آزر
عشق میں سود و خسارہ نہیں روشن ہونا

گزرا ہے کوئی عہد قرینے سے ہمارا
یہ زخم کھلا وقت کے سینے سے ہمارا
ہم شام کی دہلیز پہ بیٹھے ہیں ابھی تک
اک قافلہ نکلا تھا مدینے سے ہمارا
اک لہر یہاں آتی ہے نیندوں کے سفر پر
اور خواب اُترتا ہے سفینے سے ہمارا
نقشہ یونہی صندوق سے نکلا نہیں اپنے
کچھ خاص تعلق ہے خزینے سے ہمارا
کیا جانیے کس بات کا دھڑکا ہے نیا سال
دل ڈوب رہا ہے پہلے مہینے سے ہمارا

# حیدر علی ساحر

تم چلتے رہو عشق کے معیار اُٹھا کر — ورنہ ہے کھڑی دُنیا بھی تلوار اُٹھا کر

جس معاشرے میں مکالمہ رُک جائے وہ معاشرہ "پاکستانی معاشرہ" بن جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ثقافتی گھٹن بھی اسی لیے ہے کہ ہم مکالمہ تو کیا خودکلامی سے بھی گھبرانے لگے ہیں۔ ہم اس مریض سماج کے باسی ہیں جنہیں اظہار کے لیے کوئی "جائے تے" نہیں ملتی۔ مرحوم عدیم ہاشمی سہولت سے سانس لینے کے لیے جن دیواروں میں روشندان بنا کر گئے تھے اب اُن دیواروں میں حیدر علی ساحر نے جو دریچہ وا کیا ہے اس کا رُخ روشن اور کشادہ راستوں کی طرف ہے...... تو پھر کیوں نہ کھلے بازوؤں، ہمہ تن گوش سماعتوں کے ساتھ ان کی مکالماتی شاعری کا سواگت کیا جائے...... خوش آمدید ساحر جی۔ انجم سلیمی

تم چلتے رہو عشق کے معیار اُٹھا کر
ورنہ ہے کھڑی دُنیا بھی تلوار اُٹھا کر
ایسے ور ہے گھر کے یہ حالات تو اک روز
دے ماروں گا دیوار میں دیوار اُٹھا کر
یہ سوچ کہ اب اُس سے کہانی نہ نبھے گی
لے آیا تھا آتے ہوئے کردار اُٹھا کر
ہوتی ہے اذان حجرۂ اُمید میں جس دم
لاتا ہے کوئی صبح کے آثار اُٹھا کر
جیسے بھی ہو اب تھوڑی جگہ دل میں بناؤ
کچھ نشہ چڑھا کر کوئی مے خوار اُٹھا کر
میں اپنے لیے ڈھونڈتا رہتا ہوں پناہیں
سینے پہ پڑے بار لگاتار اُٹھا کر

---

آج خلقِ خدا بھی کہتی ہے
اُس نے آنے میں دیر کر دی ہے
میں لگاتار سوچتا ہوں تجھے
گر نہ سوچوں تو جاں نکلتی ہے
میں ابھی ابتدا میں پھرتا ہوں
تم نے تو انتہا ہی کر دی ہے
ساری دُنیا کے کام تجھ سے ہیں
یہ نہ کہنا کہ مجھ کو جلدی ہے
ہم سے جایا نہ جائے گا، لیکن
ہم نے جانے کی حامی بھر دی ہے

---

جس جگہ اُس کا ذکر آتا ہے
سارا ماحول مسکراتا ہے
کوئی چلتا ہے آسمانوں سے
اور مٹی میں ڈوب جاتا ہے
تم بھی انکار کر رہے ہو مرا
تم کو انکار کرنا آتا ہے
اب نئی بات کون کرتا ہے
کون اب راستہ دکھاتا ہے
جس سے لوٹا نہیں کوئی راہی
ایسا رستہ کدھر کو جاتا ہے
پہلے دریا بھی شور کرتا ہے
پھر سمندر میں ڈوب جاتا ہے
چاہے مسجد ہو یا کہ مے خانہ
ہر جگہ تو ہی یاد آتا ہے
چٹکیاں بھر کے دوڑ جاتا ہے
اور پھر خوب مسکراتا ہے
تتلیاں خودبخود نہیں آتیں
پھول بھی تو انہیں بلاتا ہے
آؤ دریا سے پوچھ ہی آئیں
کیوں خس و خاک کو بہاتا ہے
چاندنی رقص کرنے لگتی ہے
چاند جب دھوپ میں نہاتا ہے
دل سرائے سا ہو گیا ساحر
جو بھی آتا ہے لوٹ جاتا ہے

---

جب محبت کا فیصلہ کرنا
دشمنوں سے بھی مشورہ کرنا
اے مرے دوست میرے بس میں نہیں
لوٹ جانے کا حوصلہ کرنا
یہ روایت نہیں بزرگوں کی
ناخن اور ماس کو جدا کرنا
کشتیاں تیرنے سے ڈرتی ہیں
ناخدا کے لیے دعا کرنا
بند کروں میں زندگی کے لیے
کوئی دیوار راستہ کرنا
ہم نے یہ بادلوں سے سیکھا ہے
جو بھی کرنا ہے برملا کرنا
یہ محبت جلا بھی سکتی ہے
ایسے جلدی نہ فیصلہ کرنا
میرے مولا یہ التجا ہے مری
ناخداؤں کو مت خدا کرنا

# ڈاکٹر نادر علی/لاہور

شام ہوتے ہی ڈوب جاتا ہوں
مجھ کو سورج بنا گیا ہے کوئی

مری دہلیز پہ سورج کھڑا ہے
پسینہ چاند کو آنے لگا ہے
اندھیرہ روزنِ در سے نہ گزرو
ابھی اک طاق میں جلتا دیا ہے
کئی چہرے دکھاتا ہے مجھے وہ
اگرچہ آئینہ ٹوٹا ہوا ہے
مرے ٹوٹے مکاں سے کچھ ہی آگے
محل اُس کا بھی آخر گر گیا ہے
میں اک دن دیکھتا ہوں اپنے اندر
وہی چاروں طرف پھیلا ہوا ہے
جو مسجودِ ملائک تھا اُسی نے
بتانِ دہر کو سجدہ کیا ہے
چلے آؤ کہ پھر دشتِ بلا میں
حسینؑ ابن علیؑ آیا ہوا ہے

بادلوں میں چھپی نمی کی طرح
آنکھ ہوتی ہے اجنبی کی طرح
اُس کے ہونٹوں سے پھول جھڑتے ہیں
بات کرتی ہے شاعری کی طرح
جھوٹ کیسے وہ مجھ سے بولے گی
اُس کا چہرہ ہے ڈائری کی طرح

سانس اُس کے ساتھ اُنگلیاں میری
وہ سریلی تھی بانسری کی طرح
زرد پتے، اُداس، افسردہ
ہے دسمبر بھی آدمی کی طرح
چاند تارے تھے منتظر اُس کے
رات ٹھہری رہی صدی کی طرح
موت آئے تو کربلا میں ہوں
زندگی ہو تو پھر علیؑ کی طرح

آئے تھے ہم کہاں سے بتا کر مجھے گیا
جانے کا راستہ بھی دکھا کر مجھے گیا
احساس تک نہیں تھا اُسے میرے پیار کا
وہ اجنبی جو ہاتھ ملا کر مجھے گیا
اتنا جھکا کہ خاک کے دامن سے جا ملا
اور پھر وہ عرش پر بھی بٹھا کر مجھے گیا
اک ڈگڈگی تھی، ہاتھ تھا اور ہم تھے اہلِ دل
پھر ناچ زندگی کا نچا کر مجھے گیا
کیسے تعلقات ہیں، کیسے ہیں سلسلے
میں سو گیا تو چاند جگا کر مجھے گیا
گرچہ وہ سیدھا سادہ سا، اک راستہ ہی تھا
نادرؔ جو منزلوں پہ بٹھا کر مجھے گیا

بات کھل کر بتا گیا ہے کوئی
ایک چُپ سی لگا گیا ہے کوئی
شام ہوتے ہی ڈوب جاتا ہوں
مجھ کو سورج بنا گیا ہے کوئی
قطرۂ غم اُٹھا کے آنکھوں سے
بادلوں میں چھپا گیا ہے کوئی
مجھ سے آنکھیں چرا چرا کر اب
سب کی نظروں میں آ گیا ہے کوئی
آسماں سے بھی کچھ ذرا آگے
تاک بھرنا سکھا گیا ہے کوئی
پھول کھلتے ہیں میری شاخوں پر
تتلیوں کو بتا گیا ہے کوئی
ایک عرصے سے چھوڑ آیا تھا
جام رنگیں پلا گیا ہے کوئی
راستوں پر بٹھا گیا مجھ کو
جیسے منزل بنا گیا ہے کوئی
زندگی بھر جو راز تھا نادرؔ
آج پردہ اُٹھا گیا ہے کوئی

# گوشۂ راجہ نیّر

# کاش ایسا کمال ہو جائے

آفتاب خان

راجا نیّر سے میری دوستی کوئی بہت پرانی نہیں ہے۔ تاہم وہ دوسروں کے دل میں گھر کر لینے کا ہنر جانتا ہے۔ اس لیے انسان اُس سے ملنے کے بعد کسی صورت اُس سے دور نہیں جا سکتا۔ اُس کی شخصیت کی طرح اُس کی شاعری بھی منفرد اسلوب کی حامل ہے۔ میں نے سب سے پہلے اُس کا یہ مطلع پڑھا تو حیرت انگیز مسرت ہوئی۔

کاش ایسا کمال ہو جائے
ہجر مثلِ وصال ہو جائے

سہلِ ممتنع راجا نیّر کی شاعری کا بنیادی وصف ہے۔ اسی باعث اُس کی پنجابی اور اُردو شاعری میں خاص کشش ہے۔ اسی طرح جب یہ شعر پڑھا تو کئی بار اس پر غور کیا۔

آنکھ تخریب کار ہے اتنی
دل کی دُنیا اُجاڑ دیتی ہے

میں تو شعر کی رعنائی سے گھائل ہو گیا۔ راجا نیّر کے بنیادی اوصاف میں شاعری، مصوری، افسانہ، فوٹوگرافی، کالم نویسی کے ساتھ ساتھ براڈ کاسٹنگ بھی شامل ہے۔ شاید وہ کسی طور فارغ بیٹھنے کا قائل نہیں تبھی تو وہ اپنے فنون کو وقت دیتا دکھائی دیا اور آج کل وہ صحافتی ذمہ داریاں بھی نبھا رہا ہے تو ایسے میں شاعری کے لیے وقت نکالنا ماسوائے حیرت کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ میں جب راجا نیّر کی شاعری پڑھتا ہوں تو ایک پُر امید انسان کو رنگوں، روشنیوں، موسموں اور زندہ جذبوں بھری روایات کے نمائندے کی حیثیت سے دیکھتا ہوں۔

شام کی دہلیز پر سورج نے پیشانی دھری
اور دشتِ ہجر کی رنگت سنہری ہو گئی

یہ تری آنکھ کا کرشمہ ہے
مجھے اُکسائے جو مصوری پر

موسمِ گل میں خزاں کی چاہتیں
یوں کھلا ہم پر سزا کا مرحلہ

وہ کہانی بھی کھول دے مجھ پر
جو مری داستاں سے آگے ہے

یہ مضافات کے اطراف میں اُڑتے پنچھی
رُوٹھے موسم کو مناتے ہوئے مٹ جاتے ہیں
سرمئی شام کی آغوش میں لپٹے ہوئے رنگ
اپنی پہچان بناتے ہوئے مٹ جاتے ہیں

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے راجا نیّر رنگوں سے شاعری کرتا اور لفظوں سے تصویریں بناتا ہے۔ نت نئے انداز میں خوبصورت رنگوں کی زبانی بدلتے موسموں اور ہمکتے جذبوں کو شاعری کی زبان دینے والا یہ شاعر ایک الگ دنیا اور منفرد اسلوب بنانے میں مگن ہے۔

میں آخری سانسوں کے کنارے پہ کھڑا ہوں
وہ ڈھونڈ رہا ہے ابھی اسباب محبت

کھل کر جو اظہار کبھی نہیں کر سکتا
وہ جیون میں پیار کبھی نہیں کر سکتا
اتنی عزت کرتا ہوں میں انساں کی
دُشمن پر بھی وار کبھی نہیں کر سکتی

راجا نیّر کی شاعری میں محبت، امن، خلوص اور رواداری کی فضا تشکیل پاتی محسوس ہوتی ہے۔ وہ دنیاداری میں مگن اپنی ذات کے حصار میں گھرے انسانوں کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ ایسے میں اُس کے اشعار حیرتی انداز اختیار کرنے لگتے ہیں۔

یہ جہاں عارضی ٹھکانہ ہے
کس ہنر کا تجھے دماغ ہوا

جانے کون سے لمحے ایک دھماکہ ہو
اور فضا میں اُڑ جائیں ارمان سبھی

تجھ کو چھوڑ کے جانا موت سمجھتے ہیں
دیکھ لے دُنیا یہ تیرے مہمان سبھی

راجا نیّر کی شاعری میں متصوفانہ آہنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ تبھی تو اُس کی حیرت سوالیہ علامتوں کی صورت اُبھرتی ہے۔ وہ قربانی، حوصلے اور جدید تلازموں میں بات کہنے کے ہنر سے بھی آگاہ ہے۔

روشنی ہو رہی ہے مقتل میں
پھر ہمارا لہو چراغ ہوا
پھول سے ہاتھ میں کھلا پتھر
خوب قیمت پڑی مرے سر کی
اور بھی سینکڑوں تھیں دہلیزیں
آنکھ باندی بنی ترے در کی
وہ محبت کا غزنوی ٹھہرے
نام میرا ایاز ہو جائے

اسی طرح جب میں نے راجا نیّر کی پنجابی شاعری سنی تو حیران رہ گیا۔ اُس کے ہاں کمال خوبصورتی سے نت نئے خیال ظہور پذیر ہوتے دکھائی دیے۔ زبان کی بے ساختگی، خیال کی انفرادیت اور اسلوب کی جدت پڑھنے سننے والوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ چند شعر دیکھئے:

جگ نے کیتی جدوں اخیر
دل نوں منیا اپنا پیر

عشق وپار چ گھاٹا ای گھاٹا
ایہدے وچ نہ پاویں سیر
ہڑھ ہنجواں دا رُکدائی نہیں
دُکھ دے گنڈھے بیٹھاں چیر

گھگی دا پُرے دی ٹٹ کے
جھی پاندی پئی گھٹ گھٹ کے
اوہدی اکھیوں پُھلدے ہاسے
میریاں ساہواں دے وچ گھلکے
نُجرے تتلی اگے دھردا
پھل خشبو دی چوری کٹ کے

دُکھ دے منہ تے ہاسا بوہتا چر نہیں رہندا
پانی وچ پتاسا بوہتا چر نہیں رہندا
ویکھیں ایہنے دوپہراں وچ ڈھل جانا
قسمیں روپ دا ماسا بوہتا چر نہیں رہندا

راجا تیز کی مصوری اور کلچرل فوٹو گرافی دیکھیں تو عجیب سی خوشگوار فضا اپنے حصار میں جکڑ لیتی ہے۔ محنتی کسان، زندگی کی مانوس کیفیات، جیتے جاگتے مناظر، ماضی قریب کی سادگی اور متحرک حیاتی کمال انداز سے کاغذ پر منعکس ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

پنجاب کی زندگی کو جس محبت اور کوشش سے راجا تیز نے Expose کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ فریم، بیک گراؤنڈ، رنگ و روشنی کا متناسب امتزاج ایکسپریشن کی وارفتگی سبھی کچھ ایک جگہ اکٹھا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ حقیقتاً راجا کے ہاں تجربہ، ریاضت، چاہت، شوق اور لگن یکجا ہو کر کمال ہنر وری سے نمو پاتے ہیں۔ مصوری میں بھی اُسے جدید و قدیم کی ہم آہنگی سے مناظر کو نکھارنے کا ہنر دیگر مصوروں سے الگ کرتا ہے۔ مصورانہ خطاطی میں بھی راجا تیز نے اپنا حصہ بھرپور محنت اور محبت سے ڈالا ہے۔

بہت سے اُستاد شاعروں اور مصوروں کے بقول راجا تیز کی مصوری، عکاسی اور فوٹو گرافک آرٹ بھی اُس کی شاعری ہی کی Extension محسوس ہوتی ہے۔ یعنی راجا جو کچھ بھی تخلیق کرتا ہے شاعری بہر صورت کارفرما رہتی ہے۔ اُس کا اوریجنل شاعر ہونا ہی اُسے دوسرے فنون سے وابستہ کرنے کا باعث ٹھہرا ہے۔

اپنی شاعری میں راجا تیز کی محبت عام آدمی کی زندگی کے حوالے سے اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ وہ ایک امن پسند شاعر ہے۔ تبھی تو اُس کی شاعری میں زندگی کے دُکھ اور انسانی مسائل جا بجا اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔

وِنج کے ظلم زمین دے اُتے
رونا آؤندا اے جین دے اُتے
ڈاڈھا اوکھا اج دا بندا
نچے بھکھ دی بین دے اُتے

اک تماشہ سر بازار لگایا گیا ہے
اور مجھے مرکزی کردار بنایا گیا ہے
میرے احساس میں وہ موسیٰ ابھی زندہ ہے
دشمنوں میں جسے پروان چڑھایا گیا ہے

اسی طرح وہ زندگی کی بدلتی ہوئی اقدار اور اپنی دھرتی کی حسین روایات کو اُجڑتے ہوئے دیکھ کر بھی ایک ان کہے کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُس کی شاعری میں اپنے سماج کی ٹوٹتی پھوٹتی قدریں نہایت بے بسی کا رُوپ دھار لیتی ہیں۔ وہ اپنے اردگرد کے بدلتے ہوئے ماحول کی سادگی اور بے لوث محبت بھری زندگی کو آنے والی نسلوں کے لیے سنبھالنا چاہتا ہے مگر بے بسی اُس کی تمناؤں کا خون کر دیتی ہے۔

سادگی کے سارے جوہر آب اپنی کھو چکے
گاؤں کی دلکش حیاتی آج شہری ہو گئی
یار بھی جیون جھمیلوں میں گھرے ہیں آج کل
اور میری نوکری بھی آٹھ پہری ہو گئی

وقت کے گرداب میں گم ہو گئیں
چھاجھریں، کورے گھڑے، گڑگا بیاں
ڈیکوریشن پیس بن کر رہ گئیں
چاٹیاں، دوہنے، کٹورے، چھابیاں
کیا ہوئے وہ دن کہ اپنے دیس میں
روٹھتی تھیں دیوروں سے بھابیاں
اس عہد باکمال میں ممکن نہیں رہا
جو بے ضرر ہے وہ بھی ضرر سے بچا رہے
بہتر ہے بھول جائیں بھی چاند صورتیں
دل درد کے طویل سفر سے بچا رہے

نہ جانے راجا تیز کے اشعار میں کیا جادو ہے کہ اُن کے حوالے سے لکھتے ہوئے موضوعات کا تنوع قاری کو اپنی گرفت سے باہر ہی نہیں نکلنے دیتا۔ کئی اشعار میں وہ اپنے باقی فنون کے پس پردہ امیجری سے نیا شہر ادب آباد کرتا محسوس ہوتا ہے جو کسی طویل مضمون کا متقاضی ہے۔ بہر حال اس مختصر گفتگو کے حوالے سے آخر میں اتنا ہی کہوں گا کہ راجا تیز اُردو اور پنجابی غزل میں اپنی الگ پہچان بنانے میں کامیاب ہوا ہے تو یہ اُس کی لگن اور محنت کا ثمر ہے۔ چند اشعار دیکھئے اور اچھی شاعری سے لطف اُٹھایئے۔

اَنجان سے پھرتے ہیں
کس شان سے پھرتے ہیں
جب سے تمہیں دیکھا ہے
حیران سے پھرتے ہیں
اک ہجر سا لاحق ہے
بے جان سے پھرتے ہیں

راجا تیز جس دُنیا کے خواب دیکھتا ہے اور جس محبت بھرے پُرامن معاشرے کا متلاشی ہے۔ وہ قائم ہو جائے تو زندگی سے خوف و دہشت، بے چینی اور انارکی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔ راجا تیز ہی کے اس مصرعے پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

کاش ایسا کمال ہو جائے

# گوشہ راجا نیّر / لاہور

دکھائی جو دیتا ہوں سادہ زیادہ ۔ مجھے وقت نے ہے خرادہ زیادہ

من کو آگ لگانا پڑتی ہے سائیں
عشق میں ذات مٹانا پڑتی ہے سائیں
ہُو کی مالا جپنا سوکھی کار نہیں
پل پل جاں سلگانا پڑتی ہے سائیں
مست الست شعور فقر کے ویہڑے میں
درد مشال جلانا پڑتی ہے سائیں
وصل کی آس میں فاقے کرتی چڑیا کو
ہجر کی چوگ چگانا پڑتی ہے سائیں
عشق کا دعویٰ اتنا بھی آسان نہیں
سو گتھی سلجھانا پڑتی ہے سائیں
اکثر دل سے اُٹھنے والی ہر خواہش
ہوکوں میں دفنانا پڑتی ہے سائیں
اک چندری سی تاہنگ کے ہاتھوں اس دل کو
ڈاڈھی مار روزانہ پڑتی ہے سائیں
کاٹھ کی روٹی سب کا بھاگ نہیں بنتی
صبر کی جوت جگانا پڑتی ہے سائیں
آتی جاتی سانس کی شاخوں پہ نیّر
جند اُلٹی لٹکانا پڑتی ہے سائیں

انجان سے پھرتے ہیں
کس شان سے پھرتے ہیں
جب سے تمہیں دیکھا ہے
حیران سے پھرتے ہیں
اک ہجر سا لاحق ہے
بے جان سے پھرتے ہیں
ہم وہ نہیں صاحب، جو
ایمان سے پھرتے ہیں
اندیشوں کی بستی میں
نقصان سے پھرتے ہیں
سانسوں کے تعاقب میں
حیوان سے پھرتے ہیں
اک وصل کی خواہش میں
ارمان سے پھرتے ہیں
نیّر وہ ہمارے ہیں
اس مان سے پھرتے ہیں

ایسا نہ تھا کہ اپنے مقابل سے ڈر گیا
کمزور تھا وہ اس لیے میں صبر کر گیا
اک آرزو کے ہاتھ پہ وعدوں بھرا چراغ
وہ جاتے جاتے تیز ہواؤں میں دھر گیا
کچھ جھلملاتی خواہشیں تھیں منتظر مری
میں خالی ہاتھ شام کو جس وقت گھر گیا
پہلے تو ایک رابطہ باندھا تھا یار سے
پھر یوں ہوا کہ حوصلہ جاں بکھر گیا
دل ہے کہ بیتے وقت پہ اٹکا ہے آج تک
حالانکہ پانی کب کا پلوں سے گزر گیا
حیرت زدہ ہے آج بھی آئینۂ خیال
وہ شخص کیسے عہد وفا سے مکر گیا
یہ اور بات ہجر نے حالت بگاڑ دی
نیّر لطیف اشکوں سے چہرہ نکھر گیا

دکھائی جو دیتا ہوں سادہ زیادہ
مجھے وقت نے ہے خرادہ زیادہ
زمانے کے رنج و الم سہتے سہتے
یہ دل ہو گیا ہے کشادہ زیادہ
اُسی کے قدم چومتے ہیں ستارے
تجسس کا ہو جس میں مادہ زیادہ
اسی خوف سے کچھ طلب کر نہ پائے
مبادا ملے کم مبادا زیادہ
ترقی کے تھے شارٹ کٹ یوں تو کافی
نہ کر پائے ہم استفادہ زیادہ
کیا میرے یاروں نے ہی راجا نیّر
مری خواہشوں کا برادہ زیادہ

موسم زرد کا آئینہ
دکھ ہے درد کا آئینہ
سوکھے پتے بھی ٹھہرے
شاخِ سرد کا آئینہ
قدم قدم پہ رقصاں دھول
راہ نورد کا آئینہ
فقط بھروسہ ہوتا ہے
عورت مرد کا آئینہ
ہوتی ہے تہذیب سدا
ہر اک فرد کا آئینہ
سفر میں دیکھنا پڑتا ہے
نیّر گرد کا آئینہ

# آٹو گراف

شباب کی شگفتگی میری آنکھوں کو بھائے جائے ہے
یہ تیرا حسنِ مجسم دل کو لبھائے جائے ہے
دیکھنے والوں کی آنکھوں سے لپکتی ہے دعا
اِس ادا سے تو میری محفل میں آئے جائے ہے

میم سلیم اصغر بیگ

ہوتا ہے گلستان پہ صحراؤں کا گماں
اے دوست راس آ نہ سکی شاعری مجھے
محنت سے کر رہا ہوں کڑی دھوپ کا سفر
ٹھنڈی سڑک بھی دشت کی صورت لگی مجھے

میم سلیم اصغر

# پنجاب رنگ

## نظم

اک نظم
جوکھوں نکلی
ملاں نال لڑائی
ملاں اوہنوں جیکٹ پا کے
جنت آپ پچائی
اک نظم
جودکھوں نکلی
جنتا نال ویاہی
جنتا اوہدے پیراں اُتے
ہنیری آن وچھائی
اک نظم
جوسکھوں نکلی
دھرتی نال نبھائی
دھرتی اوہدے ٹوٹے کر کے
فوجاں اگے پائی
اک نظم
جواکھروں ٹٹی
اک نظم
جوہتھوں نکلی
ککھراں نال سدھائی
حرفاں نال ویاہی
حاکماں نال بھڑائی
اک نظم جوکھوں نکلی

سلیم شہزاد/بہاول نگر

---

دھپ دا سیکا اج وی چھپیا چھانواں اندر
دس تے سہی میں کنے دُکھ لکاواں اندر
پینڈے مینوں ویکھ کے ہور لمیرے ہو گئے
بھُل تھیہ بھکھ تے اڈیکاں راہواں اندر
میں منصور نوں کسراں ڈکدا، آکھدا ہاں
لوں لوں رچیا بولے ساہواں اندر
توں تے مینوں ٹردا پھردا ویکھدا ایں
کناں بھار میں چکی پھرناں باہنواں اندر
کی مثال میں دیواں تہاڈیاں چانواں دی
اکو رب دی ذات اے اوسدی مانواں اندر
وچ مکانے تیری خوشبو کھلری پھردی
توں وسدا ایں منوں جد دی جانواں اندر

شکیل امجد صادق/اوکاڑہ

---

غزل دی پاسبانی دے کے جاواں گا
زمانے نوں نشانی دے کے جاواں گا
میں بنجر عہد دے بنجر لکھاری نوں
سمندر دی روانی دے کے جاواں گا
بوڑھے پچھے نوں میں لے جاواں گا نال اپنے
تے اکھراں نوں جوانی دے کے جاواں گا
ودھاوے آبرو جو سبز پرچم دی
میں اوہنوں حکمرانی دے کے جاواں گا
رہوے جو نقش ذہناں وچ قیامت تک
ہے نوں اوہ کہانی دے کے جاواں گا
مہک بن کے مناواں گا اُداسی نوں
دلاں نوں شادمانی دے کے جاواں گا
جو ہونا منتقل نسلاں نوں شاہد جی
میں اکھاں نوں اوہ پانی دے کے جاواں گا

ہمایوں پرویز شاہد/لاہور

---

دلبر تے دلدار بڑے نیں
کریئے کیہ مکار بڑے نیں
لوکاں دا اعتبار نہ کرناں
لوکیں بے اعتبار بڑے نیں
بندہ گنجھلدار کہانی
بندے دے کردار بڑے نیں
اُتوں آکھن جند وی حاضر
وچوں پر غدار بڑے نیں
گل کھلی تے چوراں پچھے
نکلے تھانیدار بڑے نیں
اوکھے ویلے سنگ نہیں ٹردے
ساجد اُنج تے یار بڑے نیں

حافظ افتخار ساجد/اوکاڑہ

---

جنی حیاتی لمبی ہووے آخر پینڈے مک جاندے نے
کل غرور تکبر سارے اُچے شملے جھک جاندے نے
وقت نہ رہندا اکو جیہا اے نہ مڑ کے آوے
دنیا جھوک فنا دی جتھاں چلدے ساہ اے رک جاندے نے
حسن جوانی جوبن تیرا اے ڈھلدا پرچھانواں
ہڑ ندیاں اے چلدے دریا آخر اک دن رک جاندے نے
بھر سکناں ایں بھر لے بھانڈا کوئی نہیں پتہ حیاتی دا
فیر بیٹھا پچھتاویں گا جدوں دریا سارے سک جاندے نے

# پنجاب رنگ

اج اے ہمت تیرے اندر گل بے ہمت ہو جاویں گا
روویں گا پچھیں گُڈیاں نوں، جدوں وانڈرے تیرے تک جائے نے

محمد علی اسد بھٹی

---

اج سی چیک پکاراں جیہاں
گھر دے وچ دیواراں جیہاں
جنہاں سر تے کدے نئیں سی
اونہاں سر دستاراں جیہاں
اکھاں بیچ کے لنگھ جاؤ سارے
عزتاں لکھ ہزاراں جیہاں
روئی دی بھکھ کھلے کیتا
گُڈیاں وچ قطاراں جیہاں
شاناں والے بے توقیرے
ویلے ہتھ مہاراں جیہاں
کنج دا ویلا آیا اے ہن
اکھاں گلی بازاراں جیہاں
شالا اکھاں کدی تاں ویکھن
باگاں وچ بہاراں جیہاں
شاہد سارے اکھر کہندے
غزلاں نال پیاراں جیہاں

عبدالرشید شاہد

---

دُکھاں دے اک رُکھ نوں ویکھی جاناں واں
شیشے دے وچ مکھ نوں ویکھی جاناں واں

جیہے میتوں چاواں نال کھڈایا سی
اوس نمانی ککھ نوں ویکھی جاناں واں
میریاں اکھاں تے پتھر ہو گھیاں نیں
آون والی بھکھ نوں ویکھی جاناں واں
دکھاں دے وچ ڈبیاں سر توں پیراں تیک
کنج میں آکھاں سکھ نوں ویکھی جاناں واں
سدھراں جنھیں میں دفنائیاں عاکف جی
بھول پنے توں دُکھ نوں ویکھی جاناں واں

عاکف عثمان عاکف/اوکاڑہ

---

گھلی عجب ہوا اج لالچ دی، ہر بشر نوں لہٹری پے گئی
دکھ ونڈ ڑیں کجا، ہر ذہن اُتوں گل وچ وچار دی لہہ گئی
کون اپنا تے کیہڑا غیر محسن، دراصل سیاپ جو رہ گئی
لے کجھ نئیں ونجواں نال کسے، بس ہائے ہائے لے کے بہہ گئی

پگ جدنڑوی پینے پگ کرکے، وت پگ نوں کھول نہ سٹیے
کسے غرض دی خاطر پگ لاوکے، پگ ساتویں تول نہ سٹیے
بھاویں سر لاہوے پر پگ لاہوے، بھن پگ دا بھول نہ سٹیے
پگ سر دا محسن تاج ہوندا، سروں ڈھا کے رول نہ سٹیے

جداں نکل کمان چوں تیر وجے، کدی واپس ول نئیں سکدا
ہووے چر جی ہوی کا تنگ مصیباں دی، اوہنوں کوئی وی ٹھل نئیں سکدا
کدی لکھیا محسن قدرت دا، کسے صورت ٹل نئیں سکدا
میرا دعویٰ اے خون شریفاں دا، بھیڑ صحبت رل نئیں سکدا

عامر حیات محسن/ہڈالی

---

ساری عمر جناب دے راہواں تے پھل نیئر گلاب دے سٹے
ایہو حتی سعی کوشش رہی، نہ قدر جناب دی گھٹے
تیرے ستیاں گنڑ دا ساہ وتیاں، تیرے لئی جگراتے کٹے
اولے بدلے میریاں سدھراں نوں، تیں جگن چلا یا پھٹے

بھاویں اکھیاں دا گھاٹا آ جاوے، اساں ایہو جیہا کم نئیں کرنا
سوچ سمجھ کے پیر نوں رکھنا اے، نیلام بھرم نئیں کرنا
مجبوریاں پیاں مجبور کرن، اکھیاں نوں نم نئیں کرنا
نیئر تا تر کے جینڑ اے، کدی سر نوں خم نئیں کرنا

غلام جیلانی نیئر/ہڈالی

---

تینوں وطن دا راج نصیب ہووے، میں آں دل نوں ونڈ کردیاں
سکھ دے کے دُکھڑے لے دیاں، تیرے حق چ ونڈ کردیاں
توں بے جگ ایں سنگت غریب دی توں ہاں لمحار کے ٹھنڈ کردیاں
معراج میں واپس آساں نئیں، تیرے شہر نوں کنڈ کردیاں

جی کرکے بولیے ہر کسیں نوں، کدی سخت آواز نہ رکھئے
کسیں ہک اوہ جگن نوں دیہے چا، گلاں ساریاں راز نہ رکھئے
ہووے بھل معراج تاں معافی منگ کے متھے کوئی اعتراض نہ رکھئے
کتھے مکنڑن ساہ کوئی پک نئیں، کوئی بشر ناراض نہ رکھئے

میرا جیہں عقیدہ کچ دا ہا، جیہے لیکھ چا کہڑیاں ڈھوئیاں
بس دل گھبری گیا ہجراں توں، کوکاں ہتھ نوں مار کے روئیاں
بے چار چودھاروں موت دیاں، وچہ قید میں جدنڑری ہوئیاں
معراج و چھوڑیاں ساہ چھک لیے، بھلا میں کوئی جاتر کے موئیاں

# پنجاب رنگ

میں تاں ازل توں پابند وعدیاں دی، اک گھڑی وچ راہ بھل گئی آں
کجھ بھل گئی قول قراراں نوں، کجھ عہد وفا بھل گئی آں
آیا ہوش آغوش جہان دے وچ، کیڈے غافل سارا بھل گئی آں
ایہو بھل معراج نوں معاف جا کر، سر کھوہ دی چاہ بھل گئی آں

معراج پڈالوی/ پڈالی

نیند نے اکھ توں اکھ چرائی انج خسارا ہویا اے
کھوئی ہجواں نے بیتائی انج خسارا ہویا اے
بدلاں او ہلے لکیا چن تے ساڈی آس دے سورج دی
سانجھ مقدر نال نبھائی انج خسارا ہویا اے
ضبط دی پت بچاون لئی میں پی لیا ساریاں پیڑاں نوں
فیر وی ہو گئی جگ ہسائی انج خسارا ہویا اے
جد دی کجھ سمجھوتہ ہویا ہونی نال دعاواں دا
غمے وچ انہونی آئی انج خسارا ہویا اے
اکا فرق رہیا نہیں ساڈی محفل تے تنہائی وچ
غم نے دل وچ غار بنائی انج خسارا ہویا اے
ہجری رُت وچ پیلے پے گئے چہرے سرخ گلاباں دے
کیتی توں ویران خدائی انج خسارا ہویا اے
اٹھے پہریں رڑکاں مارن اکھ وچ ٹٹے خواب سلیم
اٹھے پہریں دیاں دہائی انج خسارا ہویا اے

عمران سلیم/ لاہور

میرے ہوش حواس مری پہچان نہ کھوہ کے لے جاوے
تیرا کافر روپ مرا ایمان نہ کھوہ کے لے جاوے
جس دیاں زیراں زبراں وچ وی تیرے پیار دی خوشبو اے
میتھوں کوئی میرا اوہ دیوان نہ کھوہ کے لے جاوے
پیار کہانی ہو نہ جاوے رُسوا غیر قبیلے وچ
قاصد کولوں چٹھی نوں دربان نہ کھوہ کے لے جاوے
جذبیاں تیکر پہنچ نہ جاوے دنیا دی ناپاک نظر
ہجر دا موسم پاکیزہ ارمان نہ کھوہ کے لے جاوے
سونپ نہ دیوے عشق سمندر میری پیاس سراباں نوں
سبز ہوائی پھلاں دی مُسکان نہ کھوہ کے لے جاوے
دوہرے خوف نے گھیر ا پایا ویلے دے وسنیکاں نوں
چھڈ جاوے جو قسمت اوہ سلطان نہ کھوہ کے لے جاوے
کاگ بنیرے بولے دی تے دل نوں پیندے ہول سلیم
میرے گھر دا بھار بھرم مہمان نہ کھوہ کے لے جاوے

عمران سلیم/ لاہور

تقدیراں دے کارے ویکھ
اکھاں کھول کنارے ویکھے
منظر بدلن والا اے
کردا وقت اشارے ویکھ
عشق دے کاروبار دے وچ
صرف تے صرف خسارے ویکھ
جثہ وچ نہ ٹھہرے جان
اسراں نہ نیارے ویکھ
جان دے دشمن ہو گئے نیں
شاہد جان توں پیارے ویکھ

شاہد عباسی

پلکاں دی چانی تے بیٹھی
رات نہ جاوے پھڑی
اندر وی ایہہ جاگ دی ہووے
باہر وی ایہہ ای کھڑی

کالی رات دی اکھ چوں تارے
پلک کنارہ منگن
چانن ورگے بدل اکھ دے
کنڈیاں اُتوں لنگن

نیندر دکھاں چوگ دے جھوری
چپ دے نال ویائی
رات نوں سیس دے وچ گندھا کے
کتھوں لبھ لیائی

رات دا ہر اک پہر وی میرے
تل دے وانگ اے چندرا
چاہ وی بلیاں اُتے لا کے
ر گیا چپ دا جندرا

پہلا پہر وی بے بس ہو کے
بہہ جاندا اے کول
رات دی تکھی اکھ دے ہتھ وچ
رکھ جاوے کشکول

رات سیہیا بن جاندی اے
آخر انت گھر دا
اک ایہہ پل ای رات چ ہووے
جیہڑا گلاں کرد

خاقان حیدر غازی

**ارژنگ:** ہم آپ کو پاکستان میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بتایئے کہ آپ کو یہاں آ کر کیسا محسوس ہو رہا ہے؟ اور کیا یہ آپ کا پاکستان کا پہلا دورہ ہے؟

**والیا ستاپاکوئی:** پاکستان میں پہلی دفعہ نہیں آئی۔ بلکہ چار سال پہلے اسلام آباد میں اکادمی ادبیات کی جانب سے منعقد کردہ کانفرنس میں بھی شریک ہو چکی ہوں۔ میرا پہلی مرتبہ پاکستان میں آنے اور ادبی کانفرنس میں شریک ہونے کا تجربہ بہت شاندار رہا تھا اور یہی پسندیدگی میری دوسری دفعہ آنے کی وجہ بھی ہے۔ پاکستان دوبارہ آنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ میں پچھلی دفعہ صرف اسلام آباد ہی دیکھ پائی تھی اور لاہور کی سیاحت سے محروم رہی تھی۔ اس تاریخی شہر کو دیکھنے کی خواہش بھی میرے پاکستانی دورے کی وجہ بنی ہے۔

**ارژنگ:** ہمارے قارئین آپ کی اپنی زبان سے سننا چاہیں گے کہ آپ نے اب تک ادب میں کیا کام کیا ہے؟ اپنی تحریروں کے بارے میں کچھ بتائیں گی؟

**والیا ستاپاکوئی:** (عاجزی سے) میری لکھنے کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ میں نے بطور سکالر لکھنا شروع کیا تھا۔ بطور محقق اور نقاد میری ادبی تحریروں کا آغاز ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد میری زندگی میں کچھ ایسی تبدیلی آئی کہ میں تراجم کرنے لگی۔ میں نے کلاسیکی ادب بطور خاص یونانی ادب کو لتھونین زبان میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ لتھونیا میں اس کی بہت ضرورت تھی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سویت یونین کے خاتمے کے بعد لتھونیا ایک الگ ملک بنا تھا اور عالمی ادب کو لتھونین زبان میں ترجمہ کرنا بڑا ضروری تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ بطور مترجم میں نے اپنے ملک کے لیے بڑا ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ قدیم یونانی ادب اور جدید یونان کے ادب کو میں نے اپنی زبان میں ترجمہ کرنے میں کافی محنت اور کام کیا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ میں نے تخلیقی تحریریں رقم کرنا شروع کر دیں۔ میری ذاتی تحریروں کی عمر دس سال کے قریب ہے۔ تخلیق کی بات کروں تو اس حوالے سے میری اب تک دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ میرے موضوعات ہجرت اور گلوبلائزیشن کے متعلق ہیں۔ دورِ جدید کے مسائل جیسا کہ مختلف النسل خاندان، وہ بچے جن کے والدین مختلف ممالک اور لسانی پس منظر رکھتے ہیں، مادری زبان کا کھو دینا۔ میرا اپنا کنبہ مختلف النسل ہے۔ میرے خاوند کا تعلق زبان یونان سے تھا جس سے میری دو بیٹیاں پیدا ہوئیں، ان کی پیدائش قبرص میں ہوئی تھی اور وہ خود کو سائپرس کی باسی سمجھتی ہیں۔ لتھونیا کو اپنا ملک نہیں مانتیں۔ ایک ماں کی حیثیت سے میرے بہت سارے تحفظات ہیں۔ بہت سارے مسائل ہیں، نفسیاتی اور جذباتی بھی۔ میں نے اس متعلق اونچی آواز کے ساتھ سوچنا شروع کر دیا ہے اور لکھنا شروع کر دیا ہے۔ جب اس متعلق میری پہلی کتاب شائع ہوئی تو اسے بڑی کامیابی ملی۔ اس پذیرائی کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ یہ صرف میرا مسئلہ نہیں تھا بلکہ بہت سارے خاندان ان مسائل سے نبرد آزما تھے۔

**ارژنگ:** عام طور پر آپ نثر تحریر کرنے کے لیے کون سی صنف پسند کرتی ہیں؟ کیونکہ لکھتی تو آپ تقریباً سبھی اصناف ادب میں ہیں؟

**والیا ستاپاکوئی:** میری پسندیدہ صنف تو سفرنامہ ہے۔ سفرنامے کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں نثر کی سبھی اصناف سما سکتی ہیں۔ مضامین، کہانی، بیانیہ اور بھی بہت کچھ۔ میں بذاتِ خود تو سفرنامہ کہانی کی شکل میں لکھتی ہوں۔ ایک بڑی کہانی جس کے اندر کئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہوتی ہیں، جیسے ایک طرح کا ناول۔

**ارژنگ:** آپ کے خیال میں سفرنامہ فکشن ہے؟ یا پھر سفرنامے کو فکشن نہیں کہا جا سکتا؟

**والیا ستاپاکوئی:** دیکھو یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں جواب دینے کی، سفرنامہ حرکت کو ظاہر کرتا ہے، سفر کے دوران آپ مختلف لوگوں سے ملتے ہیں جو بعض اوقات نہیں چاہتے کہ ان کا نام ظاہر کیا جائے، کبھی کبھی آپ حقائق کے ساتھ ساتھ افسانہ بھی شامل کر دیتے ہیں۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ یہ فکشن بھی نہیں ہے اور نان فکشن بھی نہیں۔ بلکہ دونوں کے درمیان کی ایک چیز ہے۔ یوں کہہ لیں کہ اس کی دوہری شناخت ہے۔

**ارژنگ:** سفرنامے کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سنجیدہ ادب کا حصہ نہیں ہے اور تراجم کی بھی عمومی طور پر ادبی حیثیت متنازعہ سمجھی جاتی ہے۔ یہاں وضاحت کر دوں کہ میں نے خود بھی ہسپانوی زبان کے اُردو میں گبریلا مسترال اور پابلو نرودا کی شاعری ترجمہ کی ہے اور حال ہی میں میرا جاپان کے بارے میں سفرنامہ بھی شائع ہوا ہے، اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

**والیا ستاپاکوئی:** سفرنامہ بلاشبہ ادب کا حصہ ہے۔ سفر کی داستان تحریر کرنا عین ادب ہے۔ جب آپ

کسی جگہ جاتے ہیں تو آپ کا بیانیہ اس جگہ میں سے کہانی تشکیل دیتا ہے۔ معلومات کے ساتھ تجربہ مل کر ایک نئی چیز تخلیق کرتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ ملنا، ان سے بات چیت کر کے آپ ایک کہانی تخلیق کرتے ہیں۔ آپ اس کہانی کے ہیرو ہوتے ہیں اور آپ کے اردگرد ایڈونچر ہو رہا ہوتا ہے۔ میرے خیال میں سفرنامہ ایک ایڈونچر کہانی بھی ہے اور ترجمہ بھی۔ کیونکہ سب سے پہلے تو آپ اردگرد کے ماحول کو اپنے لیے قابل فہم بناتے ہیں۔ آپ کے اردگرد بہت سارے سائن بورڈ ہوتے ہیں جنھیں آپ فوری ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر تحریر کرتے ہوئے اپنے مشاہدات و تجربات کو بیانیے کا رنگ دیتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ یہ مین سٹریم کا حصہ نہیں سمجھا جاتا تو میں کہوں گی کہ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ مین سٹریم کسے قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ناول مین سٹریم ہے تو پھر ناول انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں تو مقبول ترین صنف رہا ہے لیکن اب اکیسویں صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ناول کے قارئین سکڑتے جا رہے ہیں۔ ناول پس منظر میں جا رہا ہے اور شاعری عالمی سطح پر دوبارہ مقبول ترین صنف سخن بن کر اُبھر رہی ہے۔ مین سٹریم کو بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر شاعری کا ان دنوں چرچا ہے کہ آپ شاعر کو مدعو کر سکتے ہیں۔ شاعری با آسانی ساتھ لے جائی جا سکتی ہے۔ مشاعرہ بھی ایک خوبصورت روایت ہے مگر ناول کا یہ معاملہ نہیں۔ میرے خیال میں ادب کا مستقبل شاعری ہے۔

**ارژنگ:** ہمارے شعراء کرام تو آپ کی بات سن کر نہال ہو جائیں گے۔ آپ نے خود بھی شاعری کرنے کی کبھی کوشش کی ہے؟

**والیا سٹاپا لکوٹی:** میں نے مختلف زبانوں کی شاعری کا لتھونین زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ بلکہ حال ہی میں میرا جدید یونانی شعراء کے کلام کا ترجمہ کتابی شکل میں شائع ہوا ہے جسے بھرپور عوامی پذیرائی ملی ہے۔ خود شاعری کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ مگر یہ آج تک کی صورت حال ہے۔

**ارژنگ:** آپ نے آپ بیتی لکھی۔ تراجم کیے۔ کہانیاں تخلیق کیں۔ کیا اخبارات میں مضامین بھی لکھتی ہیں؟

**والیا سٹاپا لکوٹی:** ہاں! ہاں! فلسفے اور تراجم کے موضوع پر میں مستقل اخبارات میں لکھتی رہتی ہوں۔ ادب اور تنقید کے ساتھ ساتھ مابعد فلسفہ میرا محبوب موضوع ہے۔ کیونکہ میں نے روس کے شہر سینٹ پیٹرز برگ میں فلسفے کے موضوع پر پہلی ڈگری حاصل کی تھی۔ اس کے بعد میں نے جو کچھ بھی پڑھا اور جو کچھ بھی کیا وہ میرے فلسفہ کے پس منظر سے ہی منسلک ہے۔

**ارژنگ:** آپ کی صوفی ازم سے دلچسپی کی کیا وجہ ہے؟ صوفی ادب سے آپ کا رشتہ کیسے پیدا ہوا؟

**والیا سٹاپا لکوٹی:** صوفی ازم سے میری رغبت کا باعث میرا قبرص میں قیام تھا۔ قبرص میں مجھے اپنے قیام کے دوران بہت سے صوفی شعراء سے ملنے کا موقع میسر آیا۔ ترکی میں تو آپ صوفی ازم یونیورسٹی میں پڑھ سکتے ہیں۔ ترکی سے قربت کے باعث میں صوفی ادب کے کئی پروفیسرز صاحبان سے ملتی رہی۔ مگر میری بنیادی دلچسپی کا موضوع صوفیانہ شاعری ہے۔ صوفیانہ شاعری میں بہت گہرائی اور دانائی ہے۔ یہ ادبی اور عقلی تاریخ کا نچوڑ ہے۔ میرے پاکستان آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ خطہ صوفیا کرام اور صوفیانہ شاعری کا مرکز رہا ہے۔ میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ سیاسی حالات کی وجہ سے کچھ مسائل ضرور ہیں لیکن یہ سرزمین بنیادی طور پر صوفیا کرام کی ہے۔ یہ حصول تاریخ اور تہذیب کا خطہ ہے جہاں اب بھی صوفی ازم اپنا وجود رکھتا ہے۔

**ارژنگ:** کیا لتھونیا میں بھی صوفی ازم کے موضوع پر کوئی کام ہو رہا ہے؟

**والیا سٹاپا لکوٹی:** زیادہ تر کام تو انگریزی زبان میں ہی ہوا ہے۔ ایک ادیب نے لتھونین زبان میں صوفی ازم پر کام کرنے کا بیڑہ اُٹھایا تھا مگر بدقسمتی سے وہ بہت چھوٹی عمر میں ہی انتقال کر گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں اس کے ادھورے کام کو پورا کروں گی اور اس کی خالی کی ہوئی جگہ پر کروں گی۔ میں پاکستان اور صوفی ازم سے اپنے تعلق پر ایک کہانی بھی لکھ رہی ہوں۔ اس موضوع پر میں اپنی ادبی اور علمی ریسرچ مکمل کر چکی ہوں۔

**پس تحریر:** ڈاکٹر والیا کو پاکستان اتنا پسند آیا ہے کہ وہ لاہور میں کم از کم تین چار مہینے اپنے اور کسی کالج، یونیورسٹی میں پڑھانے کی خواہشمند ہیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے کاغذات بھی بھجوا دیے ہیں۔ جب ان سے پاکستان میں امن و امان کی تشویشناک صورتحال کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ بات میرے دماغ میں آنے والی آخری چیز ہے یعنی کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

# ادبی خبریں/تقریبات

## بزم سانجھ ہڈالی دا مہینہ وار مشاعرہ

رپورٹ (عمر حیات محسن) بزم سانجھ ہڈالی دی چھتر چھانویں 5 فروری نوں ملک محمد طاہر اعوان ایڈووکیٹ سرپرست اعلیٰ بزم سانجھ دی صدارت ہیٹھاں مہینہ وار ادبی بیٹھک ہوئی۔ اُچیچے پروہنے عبدالمالک کھچی، حاجی قمر اسلام تے محمد شفاعت برگا بلوچ سن ادب دوست عبدالغفار بھیسن، سہیل احمد، محمد آصف نعیم، حق نواز بھٹی، رب نواز بالی، محمد ممتاز، عمر فاروق تے محمد فاروق ٹوانہ توں وکھ شائقین دی وڈی تعداد نے شرکت کیتی۔ میزبان عمر حیات سن پروگرام دا آغاز تلاوت کلام پاک توں ہویا عبدالحمید گولڑوی نے تلاوت دی سعادت حاصل کیتی تلاوت توں بعد بزم سانجھ دے صدر محمد علی اسد بھٹی نے 5 دے حوالے دے نال کشمیر بھائیاں دے نال اظہار یکجہتی تے اونہاں دی جدوجہد بارے گل بات کیتی صدر بزم دی گل بات توں بعد مشاعرہ ہویا جیہدے وچ سرفراز کاوش، شاہ زیب اعوان، عمر حیات محسن، شمس الحسن بیتاب، احمد نواز خالد، محمد علی اسد بھٹی تے غلام جیلانی نیئر نے کلام پڑھیا مشاعرہ توں بعد محمد شفاعت برگا بلوچ، سرور بیگ چوغطہ صفدر حسین تے سرفراز کا کاوش نے اپنی خوبصورت آواز وچ گیت پیش کیتے۔

(سیکرٹری: بزم سانجھ ہڈالی خوشاب)

## لالہ گلزار ادبی اکیڈمی اور ساجد پریمی ادبی پریہیا کی طرف سے

رپورٹ (عقیل شافی) اُستاد ساغر بٹ اور اقبال راحت کی یاد میں ناصر باغ (چوپال) میں محفل مشاعرہ ہوا۔ مشاعرے کی صدارت طفیل خلش (جرمنی) نے کی۔ مہمانانِ خصوصی میں اقبال نجمی (گوجرانوالہ) پروفیسر ریاض قادری (فیصل آباد)، حسن عباسی (لاہور)، اعظم توقیر (حافظ آباد) تھے۔ نظامت کے فرائض عقیل شافی نے اچھے ڈھنگ سے ادا کیے۔ مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام پاک اور لیسین پھلروان (پاکپتن) صادق شاہین، حاجی لطیف کھوکھر، لالہ جی، محمود احمد (پاکپتن) عبدالرشید نیازی، زاہد سرفراز زاہد (فیصل آباد)، شوکت علی شوکت، نصیر احمد اختر (فیصل آباد)، جعفر پیرزادہ، چوہدری کرم علی کیفی (پاکپتن)، یونس فریدی (پاکپتن)، نجمہ شاہین، با باصلاح الدین، دلاور لوہار، خالد کلیار (وزیر آباد)، شاہد عباسی، ڈاکٹر اقبال ناز (فیصل آباد)، سید فراست بخاری، مقصود آزاد، نصیر احمد، لیسین رضا، سید شاہد حسین شاہد (فیصل آباد)، پروفیسر ارشد اقبال ارشد، اعجاز فیروز اعجاز، میرا جی، ناز اوکاڑوی، امین ایمی، ہمایوں پرویز شاہد، عدل منہاس لاہوری، عمران سلیم، پروفیسر عاشق رحیل، نادرا خیال، پروفیسر ظہیر احمد ظہیر شامل ہیں۔ آخر میں طفیل خلش، اعظم توقیر، ناز اوکاڑوی، اقبال نجمی، حسن عباسی، میرا جی، پروفیسر ارشد اقبال ارشد، پروفیسر ریاض احمد قادری، خالد کلیار وزیر آبادی، علامہ فقیر اثر انصاری فیض قصوری کو ادبی خدمات پر اقبال راحت ایوارڈ سے نوازا گیا۔

## گلشن ادب کا ماہانہ مشاعرہ

گلشن ادب کا ماہانہ مشاعرہ حسب سابق پروفیسر عاشق رحیل کی رہائش گاہ تے ہویا۔ صدارت پروفیسر رمضان شاکر نے اور مہمانانِ خصوصی حکیم ملک سلیم اختر اور جرمنی سے آئے طفیل خلش صاحبان تھے۔ ان شعراء حضرات نے اپنا اپنا کلام سنایا۔

سردار علی نسیم، پروفیسر محمد عباس مرزا، عمران سلیم، ہمایوں پرویز شاہد، فراست بخاری، پروفیسر عاشق راحیل، حاجی لطیف کھوکھر، محمد انیس ایمی، ابرار احمد، ایس اے نقوی، سید عابد نقوی، عدل منہاس لاہوری، خالد خورشید، خواجہ عاصم، عقیل شافی، اقبال راہی، بشارت علی شرر جی، عطا العزیز، طارق چغتائی، میجر خالد نصر، آغا ارشد، رانا محمد اکرم، عبدالحمید، شہباز ارشد جہلمی، معراج دین ڈوگر، حسن بانو، بابو رمضان شاہد، میجر اعظم کمال، عارف منصور، ناصر رضا ناصر، عرفان

## ممتاز شاعر نصرت صدیقی کے اعزاز میں "روش" گوجرہ کی 59 ویں شعری نشست

گوجرہ کی معروف ادبی تنظیم "روش" کے زیر اہتمام ممتاز شاعر نصرت صدیقی (فیصل آباد) کے اعزاز میں ایک شعری نشست پاکستان مسلم لیگ آفس میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت سیّد اجمل شاہ بخاری نے کی۔ مہمانانِ اعزاز تبسم بٹالوی اور عبدالرحمٰن زاہد تھے۔ نقابت کے فرائض غزالی نے نبھائے۔ دیگر شعراء کرام میں راجہ محمد یوسف قمر، میاں رضوان افضل، ماسٹر ناظر حسین، بشیر ربانی، عامر ریاض، چودھری صفدر علی، جمیل عاجز، علی اعجاز ساغر، ظفر اقبال بادل، خالد انصاری، محمد نیاز، افتخار علی، محمد شہباز، محمد سعید آصف اور انور ندیم شامل تھے۔ صدارتی خطبے میں سیّد اجمل شاہ بخاری نے کہا کہ "نصرت صدیقی بلاشبہ جدید لہجے کے خوبصورت شاعر ہیں۔ ان کی شاعری سن کر روح کو تسکین ملتی ہے۔" آخر میں نصرت صدیقی سے بے شمار غزلیں سنی گئیں۔ روش کی 59 ویں شعری نشست بلاشبہ ایک یادگار نشست تھی۔

## ماہنامہ ریشم کے زیر اہتمام ایک خوبصورت شام

7 فروری 2014ء کی حسین شام "ماہنامہ ریشم" کے زیر اہتمام ایک خوبصورت اور یادگار نشست DHA اسلام آباد میں سجائی گئی جس کی میزبان بشریٰ مسرور اور کشائش سرور تھیں راولپنڈی، اسلام آباد کے نمائندہ قلمکاروں کی بڑی تعداد مہمانوں میں شامل تھی جن میں محبوب ظفر، حیدر زمان، فرخندہ شمیم، منیرہ نعیم، فرح دیبا، ڈاکٹر افتخار، رخسانہ سحر، فرحین چودھری، راجا جاوید علی بھٹی، صائمہ شاہ رخ، امتیاز حسین وڑائچ، زہرا امجد، تحسین انجم انصاری، امیر سلطانہ اور ہما نواب کے علاوہ منڈی بہاء الدین سے نعیم ریاض بھٹی اور سرگودھا سے ارشد محمود ارشد نے بھی شرکت کی اور سامعین کی کثیر تعداد بھی موجود تھی۔

شعری نشست کی نظامت کے فرائض ارشد محمود ارشدؔ نے ادا کیے شعراء کا نمونہ کلام لکھتے ہیں۔

## بزم سانجھ بھڈالی ضلع خوشاب دا مہینہ وار ہر کھا اکٹھ

بزم سانجھ بھڈالی جیہدا اسلوگن اے "ماں بولی دی سیوا تے دھرتی ماں نال پیار کرو" دا 2014 دا پہلا مہینہ وار ہر کھا اکٹھ مورخہ 5 جنوری اتوار والے دن ملک محمد طاہر اعوان ایڈووکیٹ دی بیٹھک تے ہویا جیہدے وچ بھڈالی دے لکھاریاں تے شاعراں تے ماں بولی نال پیار کرنے والے سجن بیلیاں نے رلت کیتی بزم سانجھ دے صدر محمد علی اسد بھٹی دی صدارت ہیٹھاں ہون والے اس اکٹھ وچ اک قرارداد پاس کیتی گئی تے فیصلہ کیتا گیا کہ اس قرارداد راہیں حکومت پنجاب ارباب اختیار نوں مادری زبان دی ترقی تے حفاظت لئی اپنی ذمہ داری دا احساس دوایا جائے تے اے قرارداد وزیر اعلیٰ، گورنر، سپیکر، وزیر تعلیم، چیف سیکرٹری صوبہ پنجاب توں وکھ پنجاب اسمبلی دے سارے ممبراں نوں گھلی جائے تا کہ اوہناں نوں ماں بولی نال ہون والے دھرو بارے آگاہ کیتا جاوے۔

ایس موقع تے بھڈالی دے معروف شاعراں شمس الحسن بیتاب، عمر حیات محسن، معراج بھڈالوی محمد خان جانی، سرفراز کاوش، وائس آف بھڈالی سرور بیگ چوغتہ، حق نواز بھٹی تے محمد علی اسد بھٹی توں وکھ دوجے سنگیاں نے بھرویں گل بات کیتی۔ ایس پروگرام دی میزبانی دے فرائض عمر حیات محسن نے نبھائے۔ آخر وچ ملک و قوم لئی خصوصی دعا منگی گئی تے اے عہد کیتا گیا کہ اسیں اپنی ہمت تے طاقت موجب اپنی دھرتی ماں دی سیوا تے ماں بولی دے وادھے تے اوہدی ترقی لئی کم کر دے راہاں گے تے پنجاب دی پچھان لئی۔ ان شاء اللہ اپنا کردار نبھاواں گے۔

## اظہار افسوس

معروف شاعر اور ادیب جناب پروفیسر ذکی کے والد بزرگوار گزشتہ دنوں دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ادیب برادری اور ادارہ ارژنگ کی پوری ٹیم اس غم میں اُن کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔ اللہ پاک مرحوم کی بخشش فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ آمین

## اظہار افسوس

معروف شعراء قمر رضا شہزاد کے بہنوئی اور سید سہیل عابدی کے برادرِ نسبتی گزشتہ دنوں بقضائے الٰہی انتقال کر گئے ہیں۔ ادارہ ان کے غم

میں برابر شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

## ادبی تنظیم سخن آباد کے زیر اہتمام شعری مجموعے "پانی" کی تقریب پذیرائی

(رپورٹ: احمد جلیل) پچھلے دنوں اوکاڑا کی نئی ادبی تنظیم "سخن آباد" کے زیر اہتمام گورنمنٹ گنج شکر سپیشل ایجوکیشن کمپلیکس اوکاڑا میں حسن ابدال کے نوجوان شاعر دلاور علی آزر کے شعری مجموعے "پانی" کی تقریب پذیرائی کا انعقاد ہوا جس کی صدارت معروف شاعر مسعود احمد نے کی۔ جبکہ دلاور علی آزر اس خوبصورت تقریب کے مرکز و محور تھے۔ علی زریون اس ادبی تقریب کے مہمان خصوصی تھے اور مہمانانِ اعزاز میں کرنل شہاب عالم، عقیل ملک، سرور جاوی، حفیظ اللہ بادل اور تصدق بھٹی کے نام شامل رہے۔ جن شعراء اور دانشورانِ ادب نے دلاور علی آزر کے فن اور شخصیت کے حوالے سے گفتگو کی اُن میں رانا غلام محی الدین ثاقب، رضا اللہ حیدر، احمد جلیل، سخنور مجمی، صابر رضوی اور پروفیسر ندیم اصغر کے نام شامل ہیں۔ نقابت کے فرائض صابر رضوی نے بطریق احسن نبھائے۔ امین انجم نے دلاور علی آزر کا کلام مترنم آواز میں پیش کیا اور خوب داد پائی۔

بعد ازاں دلاور علی آزر کے فن اور شخصیت کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا۔ پروفیسر ندیم اصغر نے آزر کے لہجے کو بہت توانا گردانتے ہوئے اس کے اشعار کی تحسین کی۔ صابر رضوی نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ آزر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مروجہ استعارات سے ہٹ کر "پانی" کے استعارے کو اپنی شاعری کا سرآغاز بنایا ہے۔ سخنور مجمی نے اسے جدید غزل کا نمائندہ شاعر قرار دیا۔ احمد جلیل نے گفتگو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ آزر صرف لفظوں اور حرفوں کا صورت گر نہیں بلکہ وہ انہیں زندہ و جاوید پیکروں میں بھی ڈھال رہا ہے۔ رضا اللہ حیدر نے کہا کہ آزر موجودہ ادبی دائروں میں محدود نہیں بلکہ وہ ان میں وسعتیں پیدا کرتے ہوئے نئے ادبی حصار بھی بنا رہا ہے۔ رانا غلام محی الدین ثاقب نے آزر کے شعری وژن کو غیر معمولی قرار دیا اور کہا کہ وہ جدید غزل کی مشاطگی بڑے خوبصورت انداز میں کر رہا ہے۔ علی زریون نے کہا کہ وہ اچھے اشعار کے شیدائی ہیں اور آزر کے ہاں اچھے اور اچھوتے اشعار کے انبار لگے ہیں۔ عقیل ملک اور حفیظ اللہ بادل نے بھی آزر کی شاعری کی تحسین اپنے طویل مقالوں میں کی۔ صدر محفل مسعود احمد نے گفتگو سمیٹتے ہوئے کہا کہ دلاور علی آزر اگرچہ عمر کے اعتبار سے ایک نوعمر شاعر ہے لیکن اس کی ورطہ حیرت میں ڈالتی ہوئی شاعری کو دیکھیں تو وہ اس تقریب کا معمر ترین شخص دکھائی دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ جدید لہجے کا خوبصورت سخنور ہے۔ پھر کلام شاعر بزبان شاعر کا مرحلہ آیا۔ آزر نے اپنی خوبصورت شاعری سے سامعین کے قلوب و اذہان کو مسخر کیا اور بے پناہ داد سمیٹی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آزر نے اپنے لفظوں اور حرفوں کے پیکروں کو دھڑکنوں سے بھی آشنا کیا ہے۔

آخر میں مہمان شعراء نے اپنے کلام سے سامعین کو مسحور کیا اور داد پائی۔ سخنور مجمی جو نئی ادبی تنظیم کے روحِ رواں ہیں نے اس ادبی تنظیم کے اغراض و مقاصد پر مختصر مگر جامع انداز میں گفتگو کی۔ دلاور علی آزر کو اس تنظیم کی طرف سے اعزازی شیلڈ بھی پیش کی گئی۔ شعراء کے علاوہ کثیر تعداد میں باذوق سامعین بھی آخری لمحے تک اس ادبی تقریب کا حصہ رہے۔ یوں یہ خوبصورت ادبی شام ذہنوں پر حسین یادیں نقش کرتے ہوئے رُخصت ہوئی۔

## سیرت النبیؐ کے حوالے سے "محمد رسول اللہ" شائع ہوگئی

(رپورٹ: احمد جلیل) یوں تو سیرت النبیؐ کے حوالے سے بے شمار کتب موجود ہیں، لیکن پروفیسر محمدؐ اکرم طاہر نے اس موضوع کو منفرد انداز سے نبھایا ہے۔ مستشرقین نے جو بے بنیاد باتیں حضرت محمدؐ سے منسوب کر رکھی ہیں، انہیں دلائل سے رد کیا گیا ہے۔ تحقیق کا معیار قابلِ ستائش ہے۔ کتابیات کی طویل فہرست اس بات کی غماز ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو معتبر بنانے کے لیے کتنی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ اس کا مقدمہ مصنف نے خود تحریر کیا ہے۔ حافظ محمد ادریس اور پروفیسر ظفر حجازی کی آرا بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ اس متبرک کتاب کی اشاعت کی سعادت ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور کے حصے میں آئی ہے۔ 462 صفحات پر پھیلی ہوئی اس ضخیم کتاب کا ہدیہ صرف 365 روپے ہے۔ اُمید واثق ہے کہ یہ کتاب دینی، علمی اور ادبی حلقوں میں غیر معمولی پذیرائی حاصل کرے گی۔

(رپورٹ: قیصر عمران خان مگسی) گزشتہ دنوں معروف نوجوان شاعر سید سہیل عابدی کے جواں سال برادر نسبتی ''سید سبطین زیدی مختصر علالت کے بعد ملتان میں انتقال کر گئے۔ ان کی نماز جنازہ گارڈن ٹاؤن ملتان میں ادا کی گئی۔

نماز جنازہ میں معروف شعراء رضی الدین رضی، قمر رضا شہزاد، شاکر حسین شاکر، حسنین اصغر تبسم، ضیاء ثاقب بخاری، میجر اسد محمود خان، افتخار جعفری، سید قصور رضی، سید جاوید اختر، زاہد رضوی، حفیظ سعیدی، میاں عبدالحفیظ، عباس ظفر ہراج، سید عدیل اظہر، احتشام رضا، سید مظفر مہدی، انجم رضا، فرخ رضا اور راقم الحروف سمیت زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

مزید معروف وادباء فیاض تحسین، ڈاکٹر اسلم انصاری، پروفیسر انور جمال، پروفیسر سید اصغر علی شاہ، ڈاکٹر محمد امین، ڈاکٹر صلاح الدین حیدر، سلیم کوثر، عباس تابش، بریگیڈیر محمد صادق راہی، جبار مفتی، توقیر تقی، عقیل محسن نقوی، ندیم بھابھہ، عامر بن علی، ڈاکٹر مختار ظفر، شیخ سلیم ناز، مخدوم اکبر ہاشمی، سید مسعود کاظمی، وسیم ممتاز ایڈووکیٹ، شاہد راحیل خان، وحید اسد، ساحر شفیق، منور آکاش، خاور اعجاز، فیصل ہاشمی، اقبال رمیز، عمران جعفر، سجاد جہانیہ، حیدر جاوید سید، نوازش علی ندیم، ساغر مشہدی، منیر راہی، عمار یاسر مگسی، ارشد عباس زکی، محسن قریشی، منیر اختر شاہین، ڈاکٹر نجم شاہین کھوسہ، نوشابہ نرگس، رضوانہ تبسم، کرنل طاہر ڈوگر، کرنل حسن امام، میجر شہزاد، میجر عاطف مرزا، میجر وقار خان، کیپٹن ارباب محمد علی، سابق سپیکر قومی اسمبلی سید فخر امام، اسپیکر پنجاب اسمبلی رانا محمد اقبال، سابق ایم این اے، علی موسیٰ گیلانی، ممبر صوبائی اسمبلی سید حسین جہانیاں گردیزی، سابق ممبر صوبائی اسمبلی حاجی غلام جعفر سرگانہ، ڈی ایس پی، نعیم عزیز سندھو، اسسٹنٹ کمشنر کبیر والہ، مہر خالد، ممبر پنجاب اسمبلی رانا بابر علی مرکزی رہنما جماعت اسلامی لیاقت بلوچ نے سید سہیل عابدی سے ان کے برادر نسبتی کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی۔

## خواجہ فرید ادبی سنگت کے زیر اہتمام تعزیتی ریفرنس

معروف ادبی وسماجی راہنما سابق صدر 300 این جی اوز نیٹ ورک سابق صدر برائٹ یوتھ کونسل غلام احمد مرحوم کی یاد میں ''یادیں اور باتیں'' کے عنوان سے الحمراء ادبی بیٹھک میں ایک تعزیتی ریفرنس خواجہ فرید سنگت کے زیر اہتمام ہوا کہ جس کی صدارت آسٹریلیا سے تشریف لائے ہوئے سماجی کارکن اور غلام احمد مرحوم کے دوست ارشد نعیم بٹ (صدر پاکستان آسٹریلیا فرینڈ شپ) نے کی۔ مہمانانِ خصوصی حسن عباسی، توقیر احمد شرفی، اکمل اویسی، ایم اے شکوری اور حاجی فاروق احمد تھے۔ صاحب صدر اور مہمانانِ خصوصی کے علاوہ جن شخصیات نے اظہار خیال کیا اُن میں مجاہد حسین بودلہ، خشا قاضی، ارشد خان بلوچ، طارق حلیم اور سعید احمد کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ نظامت کے فرائض خواجہ فرید ادبی سنگت کے رُوحِ رواں حکیم سلیم اختر نے سرانجام دیے۔ اس تقریب میں خراب موسم کے باوجود زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھرپور شرکت کی۔ تمام مقررین نے نہ صرف غلام احمد مرحوم کی زندگی، شخصیت، کام اور خدمات پر سیر حاصل روشنی ڈالی بلکہ انھیں زبردست خراج عقیدت بھی پیش کیا۔ غلام احمد مرحوم نے زندگی بھر منشیات کے خلاف برائٹ یوتھ کونسل کے پلیٹ فارم سے جدوجہد کی۔ غریبوں اور ناداروں کے کام آئے، فلاحی کام کیے۔ آرٹ اور ادب کے حوالے سے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ یہاں غلام احمد مرحوم کی خدمات کے اعتراف میں کچھ اعلانات بھی کیے گئے جن میں غلام احمد مرحوم کے نام پر لاہور میں ایک سڑک کا نام رکھنے کے لیے کوشش کو سراہا گیا۔ اسی طرح بتایا گیا کہ اُن کے نام پر ایک لائبریری کا قیام بھی عمل میں لایا جا رہا ہے۔ اُن کی زندگی کے حوالے سے ایک کتاب مرتب کرنے کا اعلان بھی ہوا۔ اس پر غلام احمد (مرحوم) گولڈ میڈل کا اعلان بھی کیا گیا جو ہر سال ادبی اور سماجی شعبے میں کسی ایک شخصیت کو دیا جائے گا۔ پہلا گولڈ میڈل ادبی خدمات کے طور پر ممتاز شاعر اور سفرنامہ نگار حسن عباسی کو دینے کا اعلان ہوا جس کا حاضرین نے بھرپور انداز میں خیر مقدم کیا۔ تقریب میں غلام احمد مرحوم کے دوستوں کے علاوہ رشتہ داروں اور عزیزوں نے بھی بھرپور شرکت کی۔ ان کے بیٹوں اور بھائی سعید احمد نے غلام احمد مرحوم کے ساتھ اپنی قلبی وابستگی کا اظہار کیا اور بچپن کی یادوں کو شیئر کیا۔ حاجی فاروق احمد نے بھی بہت خوبصورت لفظوں اور اشعار میں بھائی کا ذکر کیا اور آخر میں اُن کے لیے بہت روح پرور دُعا فرمائی۔ تقریب میں حکیم سلیم اختر کی نظامت اور حسن عباسی کی نظم نے سماں باندھ دیا۔

## ایوارڈ برائے ادبی خدمات

گلشن ادب پاکستان کی جانب سے ایوارڈ برائے ادبی خدمات حضرت پرنم الہ آبادیؒ کے شاگرد رشید محمد اقبال پیام کو نوازا گیا۔

بزم پرنم کے زیر اہتمام محفل میلاد اور نعتیہ مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ زیر صدارت صوفی پیر ندیم احمد قادری نظامت اقبال پیام۔ مہمان خصوصی نواز احمد کول اور رفعت علی علوی، فراست بخاری، خواجہ ذاکر اور دیگر شعراء کرام نے اپنا کلام سنایا اور آخر میں محفل امیر پیر ندیم احمد قادری نے اقبال پیام کو حضرت پرنم الہ آبادی کا جانشین مقرر کیا اور دستار بندی کی اور مبارک باد پیش کی۔

## گلشن ادب کا سالانہ مشاعرہ

گلشن ادب کا سالانہ مشاعرہ ہمدرد ہال سنٹر میں 12 اپریل 2014ء بروز ہفتہ کو ہوا۔ صدارت اشرف گل نے کی۔ مہمانان خصوصی میں حسن عباسی، کرم علی کیفی، واجد امیر، عباس مرزا، پروفیسر رفیق خاں، بشیر باوا، نادرا خیال، پروفیسر عاشق رحیل تھے۔ تلاوت اور نعت کے بعد جن شاعروں نے اپنا اپنا کلام پڑھا اُن میں جعفر پیرزادہ، ساجد پریمی، امین ایمی، عثمان محمود، عامر میر، عرفان اللہ عرفان، علی بابر، عقیل شافی، عمران سلیم، شاہد عباسی، عدل منہاس لہوری، فراست بخاری، اسلم شوق، طفیل اعظمی، اجمل حسین، افضال عاجز، حاجی لطیف کھوکھر، ماسٹر عنایت، شریف فیاض وزیر آبادی، چوہدری انور بسرا، ناہید رحمٰن، سردار علی نعیم، احسان رانا، صادق شاہین، طاہر ناصر علی، شریف انجم، خالد خورشید، عبدالقدوس کیفی، میجر خالد نصر، محمد ابرار، ڈاکٹر طاہر شبیر، ندار سرگودھوی، حسن عسکری کاظمی، حاجی ثناء اللہ، وسیم عباس، جاوید قاسم، طارق چغتائی، مختار جاوید، فضل حق گلشن، عاصم خواجہ، اقبال راہی، ہمایوں پرویز شاہد، آفتاب شیرازی، بیراجی، ڈاکٹر امین خان، سلطان کھاروی، نصیر احمد، مرلی چوہان، ذاکر خواجہ، پروفیسر رمضان شاکر، ریاض شاہد روحانی، خورشید کمال، گلزار بخاری، عطاء تعزیر، ملک ارشاد، عذرا، مرزا، ریحانہ اشرف، ناز اوکاڑوی، فہیم صدیقی، سرفراز سید، صابر چوہدری، کوثر اعجاز، ریاض احمد ریاض، اعجاز فیروز اعجاز، ماسٹر طارق انجم، بشیر کمال، ڈاکٹر عارف محمود، میاں ظفر مقبول، فریاد خاکی، مشتاق قمر، عمران جعفر، فریدہ خانم، نگہت اکرم، حسن بانو، زبیدہ حیدر ذہبی، فاطمہ غزل، ملک سلیم اختر، ڈاکٹر کنول فیروز، ڈاکٹر ارشد اقبال ارشد، خلش بجنوری، ریاض رومانی، صلاح الدین ایڈووکیٹ، ڈاکٹر سعید اُلفت، ڈاکٹر یونس اختر، فضہ ہمایوں، صائمہ الماس، ایم آر مرزا، عبدالمجید چٹھہ، اقبال پیام، پروفیسر عباد نبیل شاد، ڈاکٹر عاصم بخاری، صاحب صدر اور مہمانانِ خصوصی شامل تھے۔ مشاعرے میں گلشن ادب تنظیم کی طرف سے حکیم سلیم اختر، بیراجی اور عقیل شافی کو حسن کارکردگی ایوارڈ دیے گئے۔ بی بی رابعہ غزل ایوارڈ، پہلا بشیر باوا، دوسرا علی بابر اور تیسرا طفیل خلش کی کتاب کو دیا گیا۔ وفاقِ پاکستان ادبی فورم کی طرف سے عدل منہاس لہوری، عاصم خواجہ، اقبال راہی اور نجمہ شاہین کو بھی ایوارڈ دیے گئے۔ مشاعرے کے اختتام سے پہلے سید جعفر پیرزادہ کی طرف سے پروفیسر عاشق رحیل اور عقیل شافی کی تاج پوشی بھی کی گئی۔ رانا اظہر فیروز کی طرف سے علامہ فضل حق خاں گلشن کو نقد انعام سے نوازا گیا۔ آخر میں تمام شعراء اور سامعین کو لاہور بروسٹ کی طرف سے ڈنر بوکس دیے گئے۔


نوٹنگھم (برطانیہ) میں مقیم معروف شاعرہ، افسانہ نویس اور ناول نگار سعدیہ سیٹھی کا تیسرا شعری مجموعہ

"تنہائیاں"

مکمل اہتمام کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

صفحات: 128 قیمت: 200 روپے

ناشر: نستعلیق مطبوعات

الفیروز سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور



معروف ادیبہ نصرت زہرا کے قلم سے پروین شاکر کی سوانح حیات، فکر و فن اور یادوں پر مشتمل منفرد کتاب

"پارہ پارہ"

کا دوسرا ایڈیشن

طباعت کے آخری مراحل میں ہے

ناشر: نستعلیق مطبوعات

ایمان زہرا پبلی کیشنز، کراچی

# تبصرۂ کتب/فلیپ/آراء

تنہائیاں/شاعرہ: سعدیہ سیٹھی/صفحات 126 / قیمت 200 روپے/تبصرہ نگار: نازؔ اوکاڑوی

---

ناشر: نستعلیق پبلی کیشنز، اُردو بازار لاہور

---

سعدیہ سیٹھی برطانیہ کے نوٹنگھم میں رہائش پذیر شاعرہ، افسانہ نگار، ناول نگار کی نئی تخلیق غزلوں اور نظموں پر مشتمل مجموعہ ''تنہائیاں'' چھپ کر مارکیٹ میں آ چکا ہے۔ حسب سابق اس مجموعہ کو ادبی حلقہ میں بے حد سراہا گیا ہے۔ غزلیں اور نظمیں پڑھ کر سعدیہ سیٹھی کی دلی کیفیت کا احساس کیا جا سکتا ہے۔ ان کا نام ادبی حلقہ میں ایک معتبر حوالہ ہے۔ مجھے اُمید ہے آپ بھی پڑھ کر یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔ اُمید کرتا ہوں آنے والے دنوں میں سعدیہ سیٹھی اپنی انفرادیت قائم رکھیں گی۔

سورج ڈوبا نہیں کرتے/مرتب: سلیمان جاذب/صفحات 320 / قیمت: 400 روپے/فلیپ/عطاء الحق قاسمی

---

ناشر: نستعلیق پبلشرز، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

---

شاکر کنڈان کی علمی و ادبی خدمات اور فن و شخصیت کے حوالے سے کتاب ''سورج ڈوبا نہیں کرتے'' میں شامل چند مضامین پڑھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ حیرت اس بات کی کہ میں شاکر کنڈان کو بطور شاعر جانتا تھا اور اُس کے علمی اور تحقیقی کام سے آگاہ نہیں تھا۔ سرگودھا میں بیٹھ کر اُس نے جس انتھک محنت سے مختلف کتب پر تحقیق اور ترتیب کے حوالے سے کام کیا ہے وہ یقیناً صد لائق تحسین ہے۔ کسی بھی بڑے کام کے لیے جستجو، لگن، محنت، نیک نیتی اور جنوں درکار ہوتا ہے۔ شاکر کے کام کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اُس میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں۔ ادبی میدان میں جہاں کچھ شعراء کو ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور مخالفین کو نیچا دکھانے سے فرصت نہیں وہاں سلیمان جاذب جیسے نوجوان شاعر بھی موجود ہیں جو فن کے حوالے سے اپنے سینئرز کی کتب مرتب کرنے میں مشغول ہیں۔ شاکر کنڈان اس سے کہیں زیادہ سراہے جانے کے قابل ہے۔ میرے خیال میں اُس کی علمی و ادبی خدمات کے حوالے سے یونیورسٹی کی سطح پر کام ہونا چاہیے۔ میں شاکر کنڈان اور سلیمان جاذب کو کتاب کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

تزئین اور تتلیاں/مصنف احمد عدنان طارق (انسپکٹر پولیس)/صفحات 144 / قیمت 400 روپے/فلیپ: اشتیاق احمد

---

ناشر: نستعلیق پبلی کیشنز، غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور

---

ہمارے ملک میں ایک خیال تو یہ پایا جاتا ہے کہ پولیس کا محکمہ لکھنے لکھانے کے شوق سے عاری ہے۔ اس میں ادب کے جراثیم نہیں پائے جاتے۔ خال خال ہی کوئی لکھنے والا ملے گا۔ یہ خیال کسی حد تک درست ہے۔ واقعی! لکھنے والے اس محکمے میں کم ہی ہوں گے۔ تاہم یہ کہنا درست نہیں کہ سرے سے ہی یہ شوق نہیں پایا جاتا۔ ایک دوسرا خیال یہ پایا جاتا ہے کہ آج تک تسلیم بھی نہیں کیا گیا جب کہ یورپ میں ہرگز ایسا نہیں۔ ان کے ہاں بچوں کے لیے لکھنا بہت بڑا کام ہے اس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ایک تیسرا خیال یہ پایا جاتا ہے کہ بچوں کے لیے لکھنا بہت آسان کام ہے۔ پہلے خیال سے ہم اتفاق کرتے، لیکن غلام رسول زاہد ڈی آئی جی صاحب اور احمد عدنان طارق انسپکٹر

صاحب نے اس خیال کو جھٹلانے کی گویا بنیاد رکھ دی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ بچوں کے لیے لکھنا بھی کوئی کام ہے تو اس خیال کی بھی نفی کرتے ہی بن پڑتی ہے۔ کیونکہ بچے ہماری قوم کا مستقبل ہیں۔ آخری بات! بچوں کے لیے لکھنا آسان ہے یا مشکل؟ اس بارے میں دونوں باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ بچوں کے لیے لکھنے والے کو بچہ بننا پڑ رہا ہے..... اور یہ بات ان کے لیے یقیناً اطمینان کا باعث ہو گی کہ یہ اپنی قوم کے بچوں کے لیے بچہ بن گئے ہیں۔ اسی میں ان کی عظمت ہے، بڑائی ہے، کامیابی ہے۔ اس کتاب کو ہم اس نظر سے دیکھیں گے تو یہ ہمیں بلند مقصد میں لپٹی ایک دستاویز نظر آئے گی۔ یہ باتیں میں نے اپنے محسوسات کی حد تک لکھ دی ہیں تا کہ سند رہیں اور بوقت ضرورت کام آئیں۔

رج کے مٹھی / شاعرہ: سعدیہ حمید / صفحات 152 روپے / قیمت: 200 روپے / فلیپ آرا: عطاء الحق قاسمی

---

ناشر: نستعلیق پبلشرز، غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور

---

نظم دی اک خوبی ایہہ اے کہ شاعر اپنے خیالات و نظریات نوں احسن طریقے نال بیان کر سکدا اے۔ شاید ایس لئی سعدیہ حمید نے وی اپنی شاعری دے لئی نظم دا رستہ چنیا اے۔ پرائے دیس خاص کر امریکہ دی تیز رفتار زندگی جتھے اپنے لئی وقت کڈھنا وی مشکل ہندا اے۔ اوتھے شاعری لئی وقت کڈھنا بڑی گل اے۔ ایہہ جذبہ سعدیہ دی ادب دی گہرائی تے وابستگی نوں ظاہر کردا اے۔ میں اوہدیاں جنیاں نظماں پڑھیاں نیں اوا وہدی زندگی تے اوہدے مزاج دیاں ترجمان نیں اور ایہی اوہدے سچے پن دیاں مظہر نیں۔ میں سعدیہ حمید دی شاعری تے زندگی لئی دعا گو آں کہ اللہ سوہنا اونہوں ڈھیر کامیابیاں نصیب کرے۔

ہونا نہیں بیوقوف / انتخاب: حسن عباسی / صفحات: 320 / قیمت: 500 روپے / فلیپ آرا: عطاء الحق قاسمی

---

ناشر: نستعلیق پبلشرز، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

---

طنز و مزاح کے اکھاڑے میں لنگوٹ کس کے اُترنا آسان آسان کام نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر اصناف ادب کے برعکس بہت کم لوگوں نے اس صنف کے ساتھ پنجہ آزمائی کی کوشش کی۔ جو میدان میں اُترے اُن میں سے بھی بیشتر اس صنف کو پچھاڑنا تو درکنار اس کی ''وِیٹی'' پکڑنے میں بھی کامیاب نہیں ہوئے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ طنز و مزاح کے میدان میں شاعروں کی طرح لاکھوں کا مجمع نہیں ہے۔ بلکہ جو نیا دیوانہ آیا ہے جلد پہچانا جاتا ہے اور اسے دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے کہ آخر اس خارزار میں کسی نے تو قدم رکھا۔ حافظ مظفر محسن بھی ہمارے قبیلے کا ایک فرد لگتا ہے۔ وہ ایک جینوئن مزاح نگار ہے۔ ملاقات سے پہلے اخبارات کی ورق گردانی کرتے ہوئے کبھی کبھار مظفر محسن کی کوئی تحریر نظر سے گزر جاتی۔ وہ تحریر نہ تو مکمل طنز و مزاح کے زمرے میں آتی اور نہ ہی سنجیدہ نثر کے زمرے میں۔ بلکہ ان دونوں کے مابین وکھری ٹائپ کی کوئی تحریر ہوتی۔ مظفر محسن سے جب دو چار ملاقاتیں ہوئیں تو اندازہ ہوا کہ وہ صرف شگفتہ نثر ہی نہیں لکھتا بلکہ طنزیہ جملوں کے تیر برساتا، شرارتیں اور چھیڑ خانیاں بھی کرتا ہے۔ حافظ مظفر محسن کی تحریر میں اُس کی شخصیت کے یہ پہلو جھلکتے ہیں۔ لہٰذا اُس کی تحریر پڑھ کر اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ روزمرہ کے واقعات کو موضوعِ سخن بناتا اور ہمارے اردگرد پھیلے کرداروں کو کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان سے چھیڑ خانیاں اور مستیاں کر کے پھر اُن سب کو باعزت بری بھی کر دیتا ہے۔ حافظ مظفر محسن کو مزاح لکھنے کا حق اس لیے بھی حاصل ہے کہ اُس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ ہر وقت پھیلی رہتی ہے جو کہ فی زمانہ کسی صدقہ جاریہ سے کم نہیں۔ مجھے یہ شخص پسند ہے کیونکہ وہ ایک سچا اور مخلص انسان ہی نہیں بلکہ ایک شگفتہ اور جینوئن مزاح نگار بھی ہے۔

چارکا ہر ایک پل/شاعر: منیر منظر/صفحات: 120 / قیمت: 200 روپے/تبصرہ نگار: ناز نوکاڑوی

---

ناشر: نستعلیق پبلی کیشنز، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

---

فن شاعری صرف بڑے شہروں تک محدود نہیں بلکہ مضافات میں بھی بہترین ادب پروان چڑھ رہا ہے۔ کبھی کبھار کوئی اچھی آواز سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ ان آوازوں میں ایک آواز منیر منظر کی بھی ہے جو فیصل آباد کی ایک تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ سے اُبھری اور اپنا تاثر قائم کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ جعفر حسن مبارک کی رائے نے ''منیر منظر کی شاعری کا بنیادی وصف معصومیت ہے اور اس کا تخلیقی سفر تتلی کی پرواز سے مشابہت رکھتا ہے جس میں حسن اور خاموشی کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔''

ثباتِ ہجر/شاعرہ: حجاب عباسی/صفحات 192 / قیمت: 300 روپے/فلیپ آرا: پروفیسر سحر انصاری

---

پبلشر: دنیائے ادب کراچی- 623، 6th فلور ریگل ٹریڈ اسکوائر، ریگل چوک کراچی

---

حجاب عباسی ایک علمی ادبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُن کے والد گرامی حزیں امروہوی کا اساتذہ سخن میں شمار ہوتا تھا۔ اُن کے گھرانے کے بیشتر افراد ادبی کارناموں میں پیش پیش ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ 'ایں خانہ ہمہ آفتاب است' تو بے جا نہ ہوگا۔ حجاب عباسی خاصی مدت سے شعر کہہ رہی ہیں ان کے دو شعری مجموعے اب تک شائع ہو کر ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ اب یہ تیسرا مجموعہ کلام منصۂ شہود پر آ رہا ہے۔ حجاب عباسی نے اپنی شاعری میں لہجے، صداقت، اظہار اور لفظوں کی خاص دروبست سے جو انفرادیت پیدا کی ہے وہ ہر اعتبار سے لائق تحسین ہے۔ اُن کا کلام خواہ صفحۂ قرطاس پہ ہو یا سماعتوں کی نذر کیا جا رہا ہو ہر دو صورتوں میں جاذب توجہ اور خوش گوار ہوتا ہے۔ اُن کی شاعری میں موضوعات کا تنوع ہے۔ نسائی شعور کے ساتھ ساتھ ترسیل کی شائستگی حجاب عباسی کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حجاب عباسی کے اس شعری مجموعے کو وہ اذہان ضرور پسند کریں گے جنھیں شاعری کی دنیا میں تازہ کاری کی تلاش ہوتی ہے۔

زیر، زبر، پیش/شاعر: عبدالعلی شوکت/صفحات: 120 / قیمت: 300 روپے/فلیپ آراء، ڈاکٹر اسد اریب

---

بک ہوم، بک سٹریٹ 46 - مزنگ روڈ، لاہور

---

ہماری اردو شاعری ایک فضائے بسیط میں پھیلی ہوئی ایسی کہکشاں ہے جس کا ہر ستارہ اپنی تابندگی سے الگ الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ ادب و شعر کے ان سیارگانِ شعر و سخن میں رفتارِ پیہم کا ایک نمایاں استعارہ عبدالعلی شوکت بھی ہے۔ انتخاب شعر میں ایک الگ پہچان، اپنی منفرد آواز لیے ہوئے پیرایۂ اظہار میں اپنے نشانِ امتیاز کے ساتھ، نصف صدی سے زیادہ مسلسل سفر ہے۔ عسکری خدمات سے سبکدوشی کے بعد اُن کے قلم نے اور زیادہ جولانی دکھائی، موضوعاتی نظمیں لکھیں، قطعات کہے، ملی نغمے، نعت، حمد، تمام اصنافِ ادب میں جب سب کچھ کہہ لیا، اب فکرِ سخن کی ایک تازہ واردات ''زیر، زبر، پیش'' کی یہ غزلیں نذرِ ادب کر دیں۔ جنھیں میں ''لرزاں ساعتوں'' کی غزلوں سے بہت آگے کا سفر قرار دوں گا۔

# نامہ ہائے احباب

پیارے حسن عباسی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ارژنگ دسمبر، جنوری، فروری اپنی روایتی خوبصورتیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ ارژنگ کے ٹائٹل جمالیاتی اقدار کے حامل ہوتے ہیں۔ اب کے ٹائٹل نباتاتی رموز کا گرہ کُشا ہے۔ آپ جانیں میں بائی کا استاد رہا ہوں۔ مجھے نباتات سے خصوصی دلچسپی ہے۔ اس ٹائٹل نے مجھے از حد متاثر کیا ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کا انٹرویو معنی خیز ہے۔ عامر بن علی کی ادبی گوناگونی کے کیا کہنے۔ جو کچھ بھی لکھیں حق ادا کرتے ہیں۔ اس کا معیار پیش کرتے ہیں۔ رسالے کے مضمرات بیش قیمت ہیں۔ رستم نامی کا تعلق شنکیاری (مانسہرہ) سے ہے۔ انہوں نے ظفر اقبال کی طرح غزل میں اپنا الگ تشخص اُستوار کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی غزل میں ہزارہ رنگ بھی نمو پاتا ہے۔ ان کے ہاں ہریالیوں، خوشبوؤں، بدلیوں، برفانی چوٹیوں اور تنہائیوں کی خوش اطواریاں انعکاس پذیر ہوتی ہیں۔ غرض ان کے لہجے میں ''ارژنگ کیفیت'' فراواں ہے۔ گوشے کی غزلوں کے یہ شعر دیکھئے:

کرتے ہیں فقط صبر و تحمل پہ گزارہ\
یعنی ہے تمنا و تخیل پہ گزارہ\
ہم لوگ بھی رہتے ہیں بہت بے سروساماں\
ہم لوگ بھی کرتے ہیں توکل پہ گزارہ

کہیں کی ہوا راس آتی نہیں\
مجھے یار نامی ہزارے بغیر

ارژنگ کی ہر تحریر آنکھوں میں بسالینے"جوگی ہے۔"

آصف ثاقب\
بوئی ہزارہ

---

برادر عزیزی حسن عباسی صاحب!

اُمید ہے کہ مع احباب بخیر ہوں گے۔ ایک مقامی سرکاری لائبریری میں ماہنامہ ''ارژنگ'' بصر نواز ہوا۔ خوب صورت خوش ہیئت پایا۔ وقت کی قلت کے باوجود دو نشستوں میں پڑھ ڈالا۔ نثریہ ونظمیہ ہر دو حصے لائق مطالعہ ہیں۔ شعریات میں بیشتر نے بہت متاثر کیا۔ خاص کر درج ذیل اشعار نے:

حرم کا نور دیتا ہے ضیا قلب مسلماں کو\
وہ مرکز ہے جہاں اسلام کی سطوت درخشاں ہے\
(گوہر ملسیانی/ خانیوال)

گرد پلکوں پہ سجاتا ہوں رہ بطحا کی\
میری آنکھوں میں ستاروں کی چمک آتی ہے\
(قیوم طاہر/راولپنڈی)

ہوتا ہے روز ہم سے نجوں کا سامنا!\
کس نے درندے چھوڑ دیے ہیں گلی گلی؟\
(نصرت صدیقی/فیصل آباد)

شہر لوگوں سے ہوا جاتا خالی خالی\
باندھ کر جانے کہاں رخت سفر جاتے ہیں\
(شکیلہ ستارہ/ واہ کینٹ)

جہاں میں کوئی کام والا نہیں\
ہمارے علاوہ تمہارے بغیر\
(رستم نامی/ پشاور)

اس لیے آنکھ بھر آئی ہے کہ مجھ کو یہ کتھا\
میرے بچپن میں مری ماں نے سنائی ہوئی ہے\
(ڈاکٹر جواز جعفری/ لاہور)

اُس کی سلطنت سے میں بھاگ کر کہاں جاتا\
آسماں خدا کا تھا یہ زمیں خدا کی تھی\
(ریاض ندیم نیازی/سبی)

صبح نے مجھ کو خواب دکھائے\
شام نے میرے سپنے لوٹے\
(بدر سیماب/کویت)

جس کو چاہا تھا وہ ملا ہی نہیں\
اس سے بڑھ کر کوئی سزا ہی نہیں\
(رقیہ غزل/ لاہور)

''سنو اک مشورہ تو دو'' (شہزاد ملک (خیر پور ٹامے والی)، گردشوں کے غلام (ناز اوکاڑوی)، کل کب آئے گا (ایضاً)، آگہی کا جال (ڈاکٹر ثروت زہرا/ شارجہ) وغیرہ پر تاثر تخلیق ہیں۔ نمرہ حنیف، غلام رسول آصف، نصرت زہرا کی نثر نگاری تو اہم ہے ہی جناب عطاء الحق قاسمی کا ''ڈاکٹر اللہ رکھا مرحوم'' اور جناب حافظ مظفر محسن کی ''جی الانہ سے حسن عباسی تک'' بھی رسالہ ہذا کا خاصہ ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خاں پانی پتی کا انٹرویو

ایک عمدہ اور معلوماتی تحریر ہے۔ ایم ارشاد (تمغہ امتیاز) ماہر کوٹلوی کا تعارف پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی ان کی فتوحات تحریر و تخلیق قابل ستائش ہیں۔ ادبی خبریں، تبصرۂ کتب، نامہ ہائے احباب اور پنجاب رنگ بھی جریدے کی شان ہیں۔

تین غزلیں، دو گیت، پانچ ہائیکو، تین قطعات، ایک انشائیہ، دیرا حمد حیر ایک پنجابی کہانی کا افسانوی ترجمہ ''درد پراگے'' اور ایک پنجابی غزل زیر نظر خط کے ہمراہ ارسال خدمت ہیں۔ آئندہ شمارہ ''ارژنگ'' میں شامل اشاعت کر لیجیے گا۔

اللہ تعالیٰ ''ارژنگ'' راوی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل اور منتظیق کو بمعہ احباب کار پردازان سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین

والسلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال/ماہر کوٹلوی

برادر عزیز حسن عباسی صاحب

السلام علیکم۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں ذرا دیر ہوگئی۔ معذرت! مختصر تعارف اور پانچ غزلیں ''ارژنگ'' کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔

سید ضیاء الدین نعیم

راولپنڈی

محترم حسن عباسی صاحب!

السلام علیکم۔ اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

میرا اندازہ تھا کہ ناساعدہ حالات اور منہ زور مہنگائی نے جہاں انسانی بساط اور ہمت کو ہڑپ کر لیا ہے اور جہاں انٹرنیٹ، میڈیا کی چکا چوند نے ادب کے قاری کو ورغلا لیا ہے۔ وہاں اب ادبی جرائد و رسائل اپنی موت آپ مر چکے ہیں۔ اس لیے لفظوں کو بھی حالات کا رسہ ڈال کر پھانسی چڑھا دیا گیا ہے۔ میری نصرت صدیقی کے ساتھ یہی بحث ہوتی تھی۔ مگر ہر بار اُن کے استدلال میری مخالفت میں آتے تھے۔ ہر بار وہ پوچھتے...... کبھی ارژنگ دیکھا۔ اور میں انکار میں سر ہلا دیتا۔ اچھا میں دکھاؤں گا......!! وہ وعدوں کی کھٹکی پر مجھے لگا جاتے اور میں خاموش ہو رہتا۔ آج اچانک میں اور وہ عابد علی کے پاس بیٹھے تھے۔ وہاں انہوں نے آپ سے بات کی تو مجھے بھی شرف ملاقات حاصل ہوا۔ ارژنگ واقعتاً ایسے دگرگوں حالات میں اور بڑے کروفر سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اس کے لیے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اپنے تعارفی پمفلٹ سمیت ایک اردو افسانہ ''اچا'' پنجابی افسانہ ''قولاں بھری سویر'' اپنی کچھ غزلیات اور نظمیں آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ اس اُمید پر کہ نہ صرف میرا تعارف آپ تک پہنچ پائے گا۔ بلکہ اگر میری نگارشات اس اہل ہوئیں اور آپ کی پسندیدگی کی کسوٹی پر پوری اُتر پائیں تو انہیں شامل اشاعت کریں اور اپنی آراء سے بھی نوازیے گا۔

علی اختر

فیصل آباد

محترم جناب حسن عباسی صاحب!

السلام علیکم۔ ماہنامہ ارژنگ فروری کا شمارہ مجھے موصول ہوا۔ تمام عملہ کو مبارک دیجیے۔ چونکہ ارژنگ کا معیار بہتر ہوا ہے۔ مضامین شاعری نظم اور رسالے کا مجموعی گیٹ اپ خوبصورت ہے۔

گوہر ملسیانی کی حمد، قیوم طاہر کی نعت اور اسد اعوان کے گلہائے عقیدت خوبصورت شعری نمونے ہیں۔ علی رضا کا نعتیہ مجموعہ ''ثنائے سروؐر'' تو خوبصورت ہے ہی مگر افتخار شفیع کے مقالے نے اس کی اہمیت دو چند کر دی ہے۔ افتخار شفیع کو ان کی اس تحریر پر سراہنا بہت ضروری ہے۔ خدا اُن کو اور ثروت مند بنائے۔ رضاء اللہ حیدر کی شاعری سادگی اور سلاست کی آئینہ دار ہے۔ آج کا جاپان از عامر بن علی کی کتاب پر ڈاکٹر کوثر کا تبصرہ مختصر مگر گہری سوچ کا آئینہ دار ہے۔

املاک احمد جدران کے مضمون کی حُسن آفرینی کے کیا کہنے۔ تعارفی مضمون کو خوبصورت Novelet بنا دیا ہے۔ اصغر مغل کی خطائیں (بغیر برش کے) کو سارا زمانہ جانتا ہے۔ مگر املاک جدران نے اُن کی زندگی کے خفیہ گوشوں پر بھی نظر ڈالی ہے۔ محبت کا وجدان نصرت زہرہ کا خوبصورت اظہاریہ ہے۔ آپ واقعی ادب کی صحیح خدمت کر رہے ہیں۔

وسیم عباس کی غزل کا شعر کیا عمدہ تخلیق ہے۔

اخلاص کے امرت نے جلا ڈالا ہے مجھ کو
راحت کے کبھی دل میں زمانے نہیں آتے

انجم سلیمی کا تعارفی صفحہ بہت اچھا لگا۔ ریاض ندیم، محمد ندیم بھابھہ کی شاعری بہت اچھی ہے۔ مبشر بلوچ اور روبینہ جلیل کی شاعری بھی پسند آئی۔

خدا آپ کے اس ماہنامے کو اور کامیاب کرے آمین

شعراء کی ڈائریکٹری اور رابطہ کے لیے فون بھی تحریر کیا کیجیے۔ شکریہ۔ والسلام

پروفیسر محمد امین انجم

اوکاڑا

حسن عباسی جی!

السلام علیکم۔ تازہ ''ارژنگ'' موصول ہوا۔ بہت محبت۔ نثر اور شاعری دونوں ہی لاجواب ہیں۔ پورے ماہ کے لیے اچھا مواد پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ آپ کی کوشش اور کاوش دونوں ہی دادِ تحسین کے قابل ہیں۔ ایک ''نعت'' اور ایک ادبی خبر بھیج رہا ہوں۔

غزالی

گوجرہ

جناب حسن عباسی صاحب!

السلام علیکم۔ ارژنگ دیکھا۔ بہت منفرد اور جاذبِ نظر ہے اور اُردو ادب کو آپ کا یہ ایک نایاب تحفہ ہے۔ اُسے دیکھ کر مرحوم محمد طفیل کا نقوش یاد آ گیا لیکن ارژنگ نقوش سے آگے کی چیز ہے۔ ارژنگ ہاتھ میں آیا تو ایسا لگا کہ جیسے کوئی بیش قیمت امپورٹڈ کتاب ہاتھ لگ گئی ہو۔ چند صفحات پڑھ کر ہی ارژنگ کے مزاج اور آپ کے تیور کا اندازہ ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ارژنگ یقیناً اُردو ادب کے موجودہ حبس کو ختم کر کے اچھی طرح سانس لینے والی فضا کو جنم دے گا اور جو جینوئن قلم کار گروہ بندی والے ادبی رسائل کے نازیبا یا ٹھنڈے سلوک سے Srus+Ration کا شکار ہیں اور جن کے عزائم خوانخواہ پست کر دیے گئے ہیں۔ ان کو اب ارژنگ کے ذریعے راحت نصیب ہو گی۔ اب اجازت چاہوں گی۔

والسلام

نسیم سکینہ صدف

ڈسکہ

محترم حسن عباسی صاحب! آداب!

اُمید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ ''ارژنگ'' علم و ادب کی مہکار بنائے نظر نواز ہوا۔ آپ کی محبت کے لیے شکر گزار ہوں۔ وعدے کے مطابق افسانہ ارسالِ خدمت ہے۔ تاخیر کے لیے معذرت، ازلی کاہلی آڑے آ گئی یا شاید عہدِ حاضر کی خود ساختہ مصروفیات......؟ رب جانے...... ویسے ہم ''ویلے مصروف'' ہیں، خیر افسانہ پر آپ کی آراء کا انتظار رہے گا۔ ارژنگ ہر لحاظ سے ایک معیاری جریدہ ہے۔ اس میں لکھنا میرے لیے باعثِ اعزاز ہے۔ پرچے پہ تبصرہ انشاء اللہ اگلے ماہ۔ تمام قارئین اور سٹاف کو پُرخلوص سلام۔

عافیت کے موسموں کی طلبگار

روشانے سبحین مہاروی

محترم حسن عباسی!

السلام علیکم۔ ارژنگ فروری 2014 میرے زیرِ مطالعہ ہے اور میں جہاں اس سے لطف اندوز ہو رہی ہوں وہیں پرچے میں شامل نظم و نثر پر مبنی ایک ایک تحریر سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔ یہ تحریریں میرے قلب و ذہن پر نقش ہوتی جا رہی ہیں۔ میں بلاخوف تردید کہہ سکتی ہوں کہ ارژنگ اس صدی میں شائع ہونے والے سب ادبی پرچوں سے بازی لے گیا ہے۔ آپ نے یہ پرچہ مرتب کر کے ایک ہوش مند مدیر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ ایک ادبی شہ پارے کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ پہلی بار اپنی چند نگارشات بھیج رہی ہوں۔ اُمید ہے حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ والسلام

آپ کی شکر گزار

سحرش منیر

ٹوبہ ٹیک سنگھ

محترم جناب حسن عباسی صاحب

اسلام علیکم۔ ماہنامہ ارژنگ کبھی کبھار پڑھنے کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار اس لیے کہ میں باقاعدہ ممبر نہیں تھا۔ اب میرے پاس ممبر شپ ہے اور امید ہے کہ میں ہر ماہ اس سے استفادہ کر سکوں گا۔

ارژنگ میں شاعری، مضامین، افسانے اور سفرنامے وغیرہ سبھی کچھ ہے اور بہت اچھا ہے۔ جو کہ قارئین کی علمی، ادبی، پیاس بجھانے کا سبب بنتا ہے۔ دعا ہے اور اُمید ہے کہ یہ اور اچھا اور بہتر ہو جائے۔

جولائی 2013ء کا شمارہ چند دن پہلے میرے ہاتھ لگا۔ اُس میں میری پنجابی غزل چھپی ہوئی ہے۔ خوشی ہوئی لیکن غلطیاں دیکھ کر پریشانی۔ نیچے غلطیوں کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ براہ کرم توجہ فرمائیں۔

پھلاں ورگے یارنوں دل وچ پھلاں وانگ رکھ۔ (وانگوں)

نہ ایوں توں مندر بولیں نہ قسمت نہ رو۔ (ایویں)
دھرتی تے جے زندہ رہنا پیار دی وی بو
دھرتی تے زندہ رہنا ایں تے پیار دابی دی بو
اُلٹ جے کجھ سکھنا ایں تے عالماں دے سنگ بہیہ
(اُلفت، بہہ)
ڈاکٹر سعید اُلفت

محترم جناب قبلہ حسن عباسی صاحب سلام باشد
آداب!
اللہ اللہ کیا کرو۔ دکھ نہ کسی کو دیا کرو
فون جب بھی کرے کوئی فون اُس کا سنا کرو
اللہ اللہ کیا کرو.........

ماہنامہ ارژنگ ملا، پڑھا اور بے حد مسرت ہوئی کہ اس میں بڑے بڑے لکھاری ہیں۔ جنہوں نے اردو اور پنجابی بڑا اچھا کلام پیش کیا۔ میں نے بھی کلام پیش کیا اور آپ نے شائع کیا۔ اعزاز احمد آذر صاحب اور رانا سردار پرویز پورے پاکستان میں محترمی تنویر نقوی کے صرف اور صرف دو ہی شاگرد ہیں اور دونوں ہی اُردو۔ اور پنجابی کے مایہ ناز شاعر ہیں۔ جناب طفیل اختر صاحب مسکراہٹ والے، ان کا سلام قبول کریں۔
پنجابی کلام حاضر ہے۔ شائع کردیں۔ شکریہ
اور سب خیریت ہے۔ دعا و سلام
رانا سردار پرویز

بہت پیارے بھائی حسن عباسی!
السلام علیکم۔ اُمید واثق ہے کہ رب ذوالجلال کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں گے۔

ارژنگ کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ بہت محبت کہ آپ ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ اپنا تیسرا شعری مجموعہ ''شام کی دہلیز پر'' آپ کے ذوقِ مطالعہ کی نذر کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ اپنی رائے سے نوازیں گے اور بھائی میں اُردو کے ضرب و مثل اور نمائندہ اشعار کا ایک انتخاب ترتیب دے رہا ہوں۔ اُس کے لیے آپ کے اشعار اور تاریخ پیدائش درکار ہیں اور احباب سے بھی کہیے گا۔ بہت شکریہ
صحت و سلامتی کی بہت سی دُعائیں آپ کے لیے۔ والسلام
ارشد محمود ارشد
سرگودھا

مکرمی و محترمی حسن عباسی صاحب!
سلام مسنون۔ ماہنامہ ''ارژنگ'' کا فروری کا شمارہ عطا کرنے پر ممنون ہوں۔ سرورق سے لے کر بیک کور تک انتہائی خوبصورت پایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں میں مزید نکھار بخشے۔ آمین
چند دوہے آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ معیار پر پورے اُتریں تو ''ارژنگ'' کی زینت بنا لیجیے گا۔
دُعاؤں کے ساتھ
طاہر ہارون

مکرمی حسن عباسی صاحب!
سلام مسنون۔ کسی سابقہ تعارف کے بغیر آپ کو خط لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں لیکن ادب کی دنیا میں جائز ہے۔ ماہنامہ فروری ۲۰۱۴ء ''ارژنگ'' پڑھا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔

سرورق نہایت دیدہ زیب، مضامین اور غزلیں ادبی حلقوں میں سراہے جاتے ہیں۔ آپ جیسے لوگ ہی فن و شعر کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور شمع سخن بھی آپ ہی کے دم سے فروزاں ہے۔
اپنی حمد یہ شاعری کی کتاب ''تیرے نشاں اور ''ارژنگ'' کے لیے حمد، نعت اور غزلیں بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ اور قارئین پسند فرمائیں گے۔
نیاز کیش
نصیر احمر

محترم بھائی عامر بن علی صاحب
السلام علیکم۔ ''ارژنگ'' کا تازہ شمارہ جناب حکیم ارشد شہزاد صاحب کے پاس دیکھ کر احساس ہوا کہ جو پودا آج سے پندرہ برس پہلے ابرار ندیم نے آپ کی سرپرستی میں لگایا تھا وہ ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ آپ گہری ادب دوستی پر تہنیتی مبارک باد کے مستحق ہیں۔
اس کاروانِ ادب (ارژنگ) میں شمولیت کے لیے ایک غزل حاضر خدمت ہے۔
عرفان اللہ عرفان (ظفروال)

معروف شاعر، کالم نویس اور مترجم عامر بن علی کا مقبول سفرنامہ

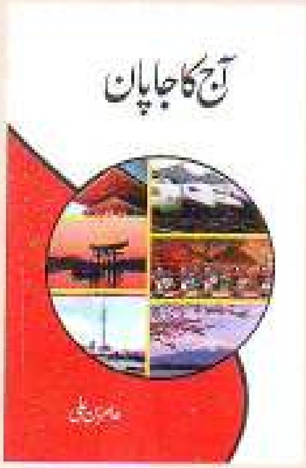


# ''آج کا جاپان''

قارئین کی زبردست پذیرائی اور پسندیدگی کا مستحق ٹھہرا جس کے باعث کتاب کا

## دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

# Daily Times Book Review

by: Dr. Amjad Parvez

Pakistani born Amir bin Ali is living in Japan since long. That is why he says that his book titled Aaj Ka Japan is neither a travelogue nor a compilation of critical essays but it is an experience shared.

Amir does not spend his time in Tokyo or Osaka but in a town that is mostly clad with snow. Being a frequent traveller, he gets to observe the habits and culture of both rural and urban areas. Living in a small town has an edge that he gets to compare the traditional Japanese culture with the modern Japan, the latter having strong Western culture influence. That is why Professor Soya Mane, Urdu department, Osaka University says that it is an interesting exercise to read a Pakistani view of Japanese culture. He believes that Japanese who are famous for their 'neem baaz akhain' (dreamy eyes) are very much interested in listening to an outside view of their society despite that they are scattered on many Islands with the same facial features. Amir has maintained his Pakistani nationality despite living in Japan for many years. This reviewer agrees with Dr Khwaja Muhammad Zakariya, Professor Emeritus Urdu, Punjab University that despite the destruction in the World Wars, the pace with which Japan has risen to a highly developed industrial country with a strong economy base is because of unity in all its ranks unlike the situation in our country. The book under review comprises Amir's articles published in newspapers from time to time. The author himself has stated in the Introduction that on the advice of the intellectual late Ahmad Nadim Qasmi he had started sharing his experiences of Japan with his countrymen through his columns in local newspapers; hence the author coming out of the book under review. The first observation of the author about Japanese people is that they always have a smile on their faces. One recalls our Prophet Muhammad (PBUH) saying that meeting people with a smile is also a form of charity. In the second article the author discovers that people that take less than five hours sleep, have more chances of losing their hair, equating this observation with the leafs falling from the trees during autumn. To Amir, Tokyo Sky Tree, the tallest minaret of the world located in Tokyo looks likes a poplar tree standing in the middle of wheat fields. It is a 634-metre tall tree and its strength was demonstrated when it stood erect braving the largest earthquake that hit Japan. Amir has also seen a snow monkey in a Japanese valley.

The most astonishing observation is Amir equating Japan with Allama Iqbal's observations (Page 44). In 1906, Iqbal had predicted Japan as a rising star of Asia. Amir also informs that Urdu departments exist in Tokyo, Osaka and Daito Banka Universities and many students learn Urdu language and research is being carried out on 'Iqbaliaat'. Amir has quoted couplets written on the degradation of Indian society with reference of Japan also like "intiha bhi is ki hei akhir khareedain kab talak/chatrian, roomaal, muffler, pairehen Japan Se/Apni Ghaflat Ki Yehi Haalat Agar Qaaim Rahi/Aaein Gei Ghusaal Kabul Se Kafan Japan Se' (It is amazing that the buying power has declined to such an extent that we are forced to buy umbrellas, handkerchiefs and clothes from Japan. If we continue to lax for long, our dead bodies shall be washed by Kabulites and wrapped by Japanese – Page 45).

One has always believed that love is beyond logic but as per another interesting revelation made by the author that in Waseeda University, Osaka, love is taught as a subject, one keeps on wondering as to love being beyond logic! Here romance is analysed both scientifically and logically. It is amazing that with each day passing more female students are taking admission in this course (Page 39). Then the author discovers that Tokyo (like Lahore, Pakistan) is a city of interesting food. Then in Japan, Muslims observe the Holy month of Ramadan with gusto and prefer opening it in the mosques (page 58). Talking of cultural difference between West and East, Japanese parents still have a role in the selection of better halves of their offshoots. 'Marriage Meetings' are held for this purpose (Page 60). Having said that, the international financial crunch has also adversely affected Japanese culture and only last year more than 250,000 divorces took place. Japanese genetic scientists have successfully carried out experiments by changing the sex of female to male gender in 300 chicken eggs and are conducting these experiments on animals also. No wonder one day it may successfully apply to humans also (Page 64). In the domain of education, Japanese system is very simple; six years in primary and three in the middle course.

*Read Arxang Online*
**www.amirbinali.com**
**www.millat.com**

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔
nastaliqe786@gmail.com
03004489310 - 04237351963
Publications

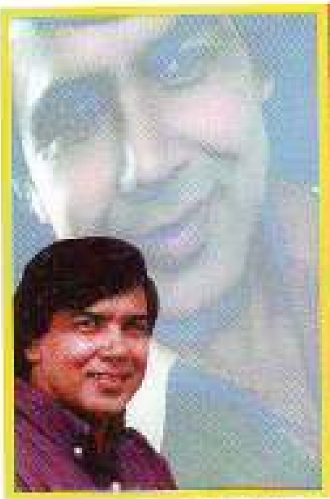

## منفرد شاعر اور مصوّر

# راجہ نیّر

راجہ نیّر بنیادی طور پر شاعر ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مصوری اور فوٹوگرافک آرٹ میں ملکی سطح پر اپنی علیحدہ شناخت رکھتے ہیں۔ وہ اب تک 300 سے زائد پینٹنگز تخلیق کر چکے ہیں۔ ان کے بنائے ہوئے سرورق پاکستان کے مایہ ناز ادبی جرائد کی زینت بنتے رہے ہیں۔ شاکر علی میوزیم لاہور کے علاوہ ان کی پینٹنگز کی انفرادی نمائشیں اسلام آباد، ملتان، ساہیوال اور وہاڑی میں منعقد ہو چکی ہیں۔ وہ آل پاکستان فوٹوگرافک آرٹ کے مقابلوں میں کئی بار اوّل پوزیشن حاصل کر چکے ہیں۔ اُن کی مصورانہ خطاطی اور آرٹ میں پنجاب کے کلچر کے حوالے سے نمایاں خدمات ہیں۔